تجارتی سود

جس میں خرید وفروخت کے معاملات میں رائج سود کی حیثیت،اس کے ارکان وشرائط ،مختلف صورتیں،کاغذی کرنسیوں کے باہم تبادلے کی مختلف صورتوں کے احکام اور سہروں کے کاروبار کاشرعی حکم وغیرہ موضوع سے متعلق مسائل تحقیق وتفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

تالیف

مفتی عبیدالرحمان صاحب ، مردان

مکتبۃ دارالتقویٰ ، مردان

نام کتاب:۔۔۔۔۔۔ تجارتی سود

مصنف:۔۔۔۔۔۔۔ مفتی عبید الرحمان صاحب، مردان

صفحات:۔۔۔۔۔۔۔۹۶

اشاعت:۔۔۔۔۔۔۔۸ر مضان ۱۴۴۴ھ

ناشر:۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ دار التقویٰ، مردان۔

فون نمبر/وٹس ایپ:03009326101

03143017364

ملنے کا پتہ: دار الافتاء جامعہ محمدیہ مایار، مردان:03009326101

فہرست

باب اول 7

ربا کی قسمیں 7

تجارتی سود کے متحقق ہونے کی شرائط 7

سود کی دو بنیادی قسمیں 7

تجارتی سود کی دو قسمیں 8

سود سے متعلق معاصر شبہات 10

تجارتی سود کے متحقق ہونے کی چار شرائط 12

پہلی شرط: طرفین کا ہونا 12

دوسری شرط: دونوں عوض کا متقوم ہونا 13

تیسری شرط: دونوں عوض کا معصوم (محفوظ) ہونا 13

چوتھی شرط: لین دین کا ہونا 14

باب دوم: 15

اختلافِ جنسیت کا ضابطہ 15

مقاصد و منافع: 17

علامہ بابرتی رحمہ اللہ کی تحقیق 19

معنی خاص اور معنی عام پہچاننے کا معیار: 20

اختلافِ مقصود پہچاننے کا طریقہ: 21

اختلافِ جنس کا دوسرا معیار: اختلافِ اصول 24
اختلافِ جنس کا تیسرا معیار: صنعت..25
کیا صناعت اختلافِ جنسیت کا مستقل سبب ہے؟...26
اموالِ ربویہ کے اندر مختلف فروق اور اس کے احکام: 29
فقہاءِ کرام کے ذکر کردہ جزئیات اور ان کی اہمیت 30
فقہائے کرام کے ذکر کردہ جزئیات کا مختصر جدول 31
"قدر" کا مفہوم و مقصود 32
قدر کو علت ٹھہرانے کی وجہ...33
قدر کو کیل و وزن کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ اور اس کے نتائج: 34
قدر کب ربا کی علت بنتی ہے؟ 34
کیا قدر کیلئے کوئی خاص مقدار ضروری ہے؟..36
علامہ معلی بن منصور کی وقیع رائے 37
علامہ ابن الہمام کی تحقیق اور متاخرین کا فتوی 38
کس دور کے کیل و وزن معتبر ہیں؟...41
طرفین کا مسلک اور اس کی دلیل 41
امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف اور دلیل 44
راجح قول 46
صرف جنس یا قدر پائے جانے کا حکم 50
وزن کے مختلف انواع میں اتحاد کی نوعیت 52

کس وقت کا مساوات ضروری ہے؟ 55
حضرات شیخین کے مسلک کی بنیاد: 56
امام محمد رحمہ اللہ کا موقف: 56
امام محمد کے موقف کی اصل بنیاد: 57
حدیث سے حضرات شیخین کے استدلال نہ کرنے کی وجہ: 59
امامِ طحاوی کی ترجیح اور اس پر ردود ونقود..60
صنعت کی وجہ سے اختلافِ قدر 61
مندرجات کے لحاظ سے مجانست کا حکم 65
جدید مصنوعات میں جنس وقدر کے پہنچاننے کا ضابطہ..69

باب سوم: 73

کاغذی کرنسی اوراس سے متعلقہ چند ضروری مسائل 73

موجودہ کاغذی کرنسی اور اس میں جنسیت وقدر کے اتحاد واختلاف کا معیار .. 73

کاغذی کرنسی میں جنسیت کے اتحاد واختلاف کا معیار..74
اصل ومادہ کے لحاظ سے مختلف کرنسیوں کا جائزہ..75
اغراض ومقاصد کے لحاظ سے جائزہ..75
مسئلہ کا دوسرا پہلو 76
ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلے کا حکم 80
حضرات شیخین کے مذہب سے استدلال اوراس کی حیثیت 81

تقابض ضروری ہے یا تعیین کافی ہے؟ 85
مختلف ممالک کی کرنسیوں کا آپس میں تبادلہ 85
کیا سرکاری ریٹ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟ 86
سہرے کی خرید وفروخت کا حکم 87
ہنر ومحنت کے عوض زیادہ قیمت لینا... 93

باب اول
ربا کی قسمیں
تجارتی سود کے متحقق ہونے کی شرائط

سود کی دو بنیادی قسمیں

ربا (سود) کی دو بڑی قسمیں ہیں:

الف: قرض پر مشروط نفع حاصل کرنا۔

ب: خرید و فروخت کی بعض مخصوص صورتوں میں ایک جانب سے زیادہ چیز دینا یا ادھار معاملہ کرنا۔

ان میں سے پہلی قسم کا تعلق قرض کے ساتھ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے قرض لیتا ہے اور اس پر نفع کی شرط لگا کر اصل رقم سے کچھ زیادہ نفع حاصل کرتا ہے، اس لئے اس کو "ربا القرض" کہا جاتا ہے، اور چونکہ دور جاہلیت میں اسی قسم کا رواج زیادہ تھا اور قرآن کریم نے بھی پہلے درجہ میں اسی کی ممانعت و مذمت فرمائی ہے، اس مناسبت سے اس کو "ربالقرآن" اور "ربا الجاہلیت" بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کا تعلق خرید و فروخت کی بعض خاص صورتوں کے ساتھ ہے جن میں شرعی لحاظ سے برابری یا نقد در نقد معاملہ انجام دینا ضروری ہوتا ہے اور معاملہ کرنے والے اس میں کوتاہی کرتے ہیں، چونکہ اس قسم کا تعلق خرید و فروخت کے ساتھ ہے اس مناسبت سے بعض اوقات اس کو "ربا البیوع" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں آسانی کے لئے اس کو "تجارتی سود" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس تحریر میں اصلا سود کی اسی قسم سے متعلق چند ضروری باتیں لکھنی مقصود ہے۔

تجارتی سود کی دو قسمیں

سود کی جس قسم کو یہاں تجارتی سود کے عنوان سے ذکر کیا جارہا ہے، اس کی بنیاد "صحیح مسلم" وغیرہ مصادرِ حدیث کی مشہور روایت ہے جس میں چھ چیزوں کے باہم لین دین کا حکم ذکر کیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان چیزوں میں سے ہر چیز اپنے ہم جنس چیز کے بدلے فروخت کی جائے تو ضروری ہے کہ دونوں طرف سے ملنے والی چیزیں مقدار میں برابر ہو اور معاملہ بھی ہاتھ در ہاتھ ہو، اگر ایک ہی جنس کی چیزوں کا لین دین نہ ہو بلکہ ان میں سے دو مختلف جنس کی چیزوں کو آپس میں ایک دوسرے کے عوض فروخت کی جائے تو برابری ضروری نہیں ہے تاہم معاملہ کا نقد ہونا پھر بھی ضروری ہے۔

ظواہر اور منکرین قیاس کے علاوہ تقریبا سب مجتہدین کرامؒ کے ہاں اس حدیث میں "ربا" کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے، وہ انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد کسی علت پر ہے اور وہ علت ان چھ کے علاوہ جن چیزوں میں بھی موجود ہوگی، ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے۔ البتہ وہ علت کیا اور کونسی ہے؟ اس میں حضرات مجتہدین کرامؒ کی آراء مختلف ہو گئیں، ہمارے فقہائے حنفیہ کے ہاں اس کی علت درج ذیل دو چیزیں یا ان کا مجموعہ ہے:

الف: اتحاد جنس۔ یعنی دو چیزوں کے جنس کا ایک ہونا۔

ب: اتحاد قدر۔ یعنی دو چیزوں کے ناپ تول کے پیمانے کا ایک ہونا۔

اب اگر کہیں یہ دونوں باتیں موجود ہوں یعنی جن دو چیزوں کا باہم تبادلہ مقصود ہو، ان دونوں کا جنس بھی ایک ہو اور دونوں کے ناپ تول کا پیمانہ بھی ایک ہو، تو اس تبادلہ کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ:

الف: دونوں طرف سے ملنے والا عوض برابر ہوں، کسی طرف بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔

ب: معاملہ ہاتھ در ہاتھ یعنی نقد ہو۔ اگر پہلی شرط کا لحاظ نہ رکھا جائے یعنی دونوں چیزوں میں سے کسی ایک طرف کوئی کمی بیشی ہو تو اس کو "ربا الفضل" کہا جاتا ہے اور اگر دوسری شرط مفقود ہو تو اس کو "ربا النسیئۃ" کہا جاتا ہے۔

اگر کہیں دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے یعنی یا تو صرف دونوں چیزیں ہم جنس ہوں اور قدر میں دونوں مختلف ہوں کہ ایک ناپ کر فروخت کی جاتی ہے اور دوسری چیز تول کر اور یا قدر میں تو دونوں ایک جیسے ہوں لیکن دونوں کا جنس مختلف ہو تو ان دونوں صورتوں میں پہلی شرط تو ضروری نہیں ہے لیکن دوسری بہر حال لازم ہے یعنی ایسی چیزیں اگر باہم کمی بیشی کے ساتھ فروخت کی جائیں تو مضائقہ نہیں ہے، لیکن معاملے کا ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا ضروری ہے۔[1]

---

[1] ادھار کے سود ہونے پر ایک اشکال وجواب:

اس پر بعض لوگوں کی جانب سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ ادھار کے ناجائز ہونے کی وجہ سے اگر ربا اور فضل کا خطرہ ہے تو پھر تفاضل (کمی بیشی) کی یقینی شکل کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟ نسئیہ کو تو تفاضل کے خطرہ کی وجہ سے ناجائز کہا جاتا ہے لیکن جس صورت میں یقینی طور پر تفاضل موجود ہے، اس کی صاف لفظوں میں اجازت دی جاتی ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس کے جواب میں متعدد اہل علم نے دونوں کے درمیان مختلف فروق ذکر فرمائے ہیں اور اس صورت میں نسیئۃ (ادھار) کے ناجائز ہونے کی کچھ حکمتیں اور مصالح بھی ذکر فرمائے ہیں، لیکن اصل بات اور بنیادی جواب یہی ہے کہ ہم نصوص کے پابند ہیں اور اسی بناء پر مسلمان اور مؤمن بالغیب کہلاتے ہیں، اگر کہیں کسی منصوص بات کی طرف ہماری محدود عقل کی

سود سے متعلق معاصر شبہات

ماضی قریب اور عصرِ حاضر میں پوری دنیا پر جب مغرب کا تسلط ہوا اور بد قسمتی سے پوری دنیا میں سود کا کچھ نہ کچھ غبار پھیل جانا شروع ہوا تو اس وقت سے لے کر آج تک بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے سود کو مختلف حیلوں و بہانوں سے مباح قرار دینے کی کوششیں کیں، بجائے اس کے کہ مسلمان ہونے کے ناطے وہ اس منکر کا مقابلہ کرتے اور کوئی معقول ڈھانچہ بنا کر امت کو سود جیسی حرام وملعون چیز کے سایے تلے آنے سے بچاتے، انہوں نے خود سود کی ان رائج شکلوں ہی میں کوئی گنجائش ڈھونڈی شروع کر دی، علامہ اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب فرمایا:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں　　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

عرب وعجم کے کئی لوگوں نے مختلف بنیادوں پر اس کو جائز قرار دینے کی کوششیں کیں۔ کسی نے اجتہادی، کسی نے فقہی جبکہ بعض نے اصولی رنگ میں اس کو جائز کہنا اور سمجھنا شروع کیا، ابھی تک اس سلسلے میں جو نمایاں شبہات وخدشات پیش کئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:

ا: بینک میں کم شرح سود وصول کیا جاتا ہے جبکہ ناجائز سود وہ ہے جہاں کثیر مقدار میں یا دوچند سود وصول کیا جائے۔

رسائی نہ ہو تو بھی اس کی وجہ سے ہم انکار یا بلا وجہ تاویل کے درپے نہیں ہوتے۔ان جیسے اشکالات کو تسلیم کرنے کے بعد مصالح کے درپے ہونے میں بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اشکال کی بنیاد واساس مضبوط ہو جاتی ہے اور اس اساس کی وجہ سے شریعت کے دیگر مسائل وتعلیمات میں بھی اشکالات وشبہات کے نت نئے دروازے کھل جاتے ہیں جس کا انجام خطرناک ہوتا ہے، اس لئے جہاں اس قسم کے نتائج کا اندیشہ ہو وہاں اشکال ہی تسلیم نہیں کر لینا چاہئے نہ یہ کہ مصالح کی تلاش شروع کی جائے۔

۲: سود تب حرام ہے جب قرض دیتے وقت تو زیادہ لینے کی شرط نہ ہو لیکن بعد میں جب قرض دار ادائیگی کرنے سے عاجز آجائے، اس وقت مزید مہلت دینے کے عوض اس پر سود لاگو کیا جائے اور بینکوں میں چونکہ سب کچھ پہلے سے طے ہوتا ہے، اس لئے یہ سود نہیں ہے۔

۳: اگر در پیش ناگہانی مصیبت یا ضرورت کی وجہ سے قرض لے لیا جائے تو اس پر سود لینا حرام ہے اور اگر تجارتی مقاصد کی خاطر قرض دیا جائے تو اس پر سود وصول کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور نہ ہی شریعت کا مقصود یہ ہے کہ اس قسم قرض پر بھی اضافی نفع وصول کرنے سے روکے۔

۴: قرآن کریم میں گو "ربا" سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے یہ چیز حرام ہے، تاہم اس کی کوئی واضح شکل قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے اس لئے یہ مجمل ہے اور " صحیح مسلم " کی روایت (جس میں چھ چیزوں کے باہم تبادلے میں برابری اور نقد ہونے کی شرط لگائی گئی ہے) نے اس کی وضاحت کی، لہٰذا ناجائز سود صرف وہی ہے جو اس روایت میں ذکر ہے اور اس کے مطابق بینکوں کا رائج سود ناجائز سود کے زمرے میں داخل نہیں ہے۔

۵: جس طرح دکان ومکان وغیرہ چیزیں اجارہ پر دینا اور اس سے نفع اٹھانے کے عوض میں رقم لینا جائز ہے یوں ہی نقد رقم بھی ایک چیز ہی تو ہے، اگر کوئی شخص دوسرے سے نقد رقم لے کر اس سے نفع اٹھاتا رہے تو اس کے عوض بھی کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

۶:اگر قرض پر مشروط نفع حاصل کرنا سود ہے تو بینک قرض کے بجائے یہی رقم زیادہ ادھار رقم کے بدلے صارف کو فروخت کردے، خرید وفروخت کے معاملہ میں تو کمی بیشی ہو سکتی ہے، وہ تو سود نہیں ہے۔

۷: قرض پر نفع حاصل کرنا گو سود ہے اور بینکوں میں یہی رائج ہے، لیکن اب چونکہ پوری دنیا میں اس کا راج ورواج ہے، اس لئے ضرورت یا حاجت کے تحت اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائیں مختلف اہلِ علم کو جنہوں نے اس قسم کے تمام شبہات کا تجزیہ کیا اور سود کے اصل حکم کو دلائل و براہین کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا جس کی وجہ سے کم از کم نظریاتی طور پر یہ حکم اپنی جگہ برقرار رہا اور تاویل وتحریف کا دروازہ بند ہوا۔

تجارتی سود کے متحقق ہونے کی چار شرائط

دو ہم جنس یا ہم قدر چیزوں کا باہمی تبادلہ اگر کمی بیشی کے ساتھ یا ادھار ہو تو یہ سود ہے، البتہ اس کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ وہ شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی شرط: طرفین کا ہونا

سود کا تعلق چونکہ خرید وفروخت کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے یہ دو افراد کے درمیان ہی متصور ہو سکتا ہے، اگر کوئی ایسی صورت ہو جہاں معاملہ کے دو طرف موجود نہ ہو تو وہ سود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر حکومت سرکاری ملازم کی تنخواہ سے از خود اس طرح کٹوتی کرے کہ ملازم کے وصول کرنے یا اس کے اکاؤنٹ میں پہنچنے سے پہلے

ہی حکومت از خود کچھ رقم کاٹ لے اور پھر وہ رقم اپنے پاس سود کی نیت سے رکھ لے، کچھ عرصہ بعد مدت ملازمت ختم ہونے کے موقع پر وہ رقم اضافی نفع سمیت واپس کرے تو یہ سود نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح غلام اور آقا کے درمیان بھی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا ہی کا شمار ہوتا ہے۔

دوسری شرط: دونوں عوض کا متقوم ہونا

خرید و فروخت کے معاملہ میں سود متحقق ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں جانب سے ملنے والا عوض "متہ قوّم" ہو یعنی شرعی نقطہ نظر سے وہ ایسی چیز ہو جو قابل قیمت ہو اور اس کا عوض وصول کرنا جائز ہو۔ لہٰذا اگر دونوں یا کوئی ایک عوض اس معنیٰ میں متہ قوم نہ ہو تو بھی کمی بیشی سود نہیں ہو گی۔ مثال کے طور پر انسانی خون کا ایک تھیہ لہ دو تھیلوں کے بدلے وصول کرنا، یہ سود نہیں ہے۔ البتہ جن معاصرین کے نزدیک خون متہ قوم ہے، ان کے نزدیک یہ بھی سود ہے۔ یاد رہے کہ سود نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جائز ہے بلکہ محض سود ہونے نہ ہونے کی تحقیق مقصود ہے، باقی ناجائز ہونے کے لئے سود کے علاوہ بھی کچھ اسباب ہیں۔

تیسری شرط: دونوں عوض کا معصوم (محفوظ) ہونا

تجارتی سود کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں عوض معصوم ہوں، یعنی شریعت کی نظر میں دونوں عوض کو "عصمت" کا درجہ حاصل ہو اور ہمارے فقہائے حنفیہ کے نزدیک مال کے معصوم ہونے کا سبب یا تو اسلام لانا اور مسلمان ہونا ہے اور یا اسلامی ملک کا قانون قبول کرکے وہاں رعیت کے طور پر رہنا۔ لہٰذا اگر کوئی حربی (کفار کی مملکت میں رہنے والا) کافر ہے، تو اس کا مال چونکہ معصوم نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان اس کے ساتھ

لین دین کرتاہے اوراس سے زیادہ عوض وصول کرتاہے تو یہ سود نہیں ہے۔[1] البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کے نزدیک یہ بھی سود ہےاور اکثر اہلِ علم احتیاط کے طور پر اسی قول کو اختیار فرماتے ہیں۔

چوتھی شرط: لین دین کا ہونا

تجارتی سود کا تعلق چونکہ لین دین اور خرید وفروخت کے ساتھ ہی ہے،اس لئے ضروری ہے کہ جس معاملہ کو سود کہا جائے وہ حقیقی معنٰی میں لین دین ہو۔ لٰہذا اگر کوئی باپ بیٹے سے کم رقم لے کر زیادہ رقم دیدے تو یہ سود نہیں ہوگا،البتہ اگر لین دین کے طور پر ایسا کرے تو دوسری بات ہے۔[2]

---

[1] بدائع الصنائع، کتاب البیوع، شرائط جریان الرّبا، ج٤ ص ۴۱۶ تا ٤١٨

[2] بعض جزئیات کو دیکھتے ہوئے قواعد سے یہ شرط لگائی گئی ہے، جس کی بنیادی وجہ کی طرف اوپر متن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

باب دوم:

جنس کے اتحاد واختلاف کا مدار

قدر کا مفہوم وتعارف

اختلافِ جنسیت کا ضابطہ

جنسیت مندرجہ ذیل اشیاء کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے:

۱۔مقاصد ومنافع: یعنی اگر دواشیاء کے مقاصد مختلف ہوں تو وہ دو مختلف اجناس شمار ہوں گی۔

۲۔مادہ: جس سے کوئی چیز بنتی اور تیار ہوتی ہے، اگر دو اشیاء کا مادہ ہی مختلف ہو تو وہ مختلف جنس کی اشیاء شمار ہوں گی۔

۳۔صنعت اور کاریگری: بعض اوقات ایک ہی جنس کی دواشیاءہوتی ہیں، ان میں سے کچھ کاریگری وغیرہ کرنے کی وجہ سے وہ مختلف جنس بن جاتی ہیں۔

اگر دو چیزیں ان تینوں اشیاء میں متحد ہوں تو وہ ہم جنس شمار ہوں گی اور اگر ان میں سے کوئی بھی چیز مختلف ہو گئی تو اس کی وجہ سے جنس مختلف ہو جائے گا۔"مجلہ" میں ہے؛

يختلف الجنس باختلاف الأصل أو المقصد أو الصـنعة.
مثلا بز القطـن وبـز الكتـان مختلفـا الجـنس لاخـتلاف
أصلهما. وصوف الشاة وجلدها مختلفا الجـنس بحسـب
اختلاف المقصد ; لأن المقصد من الجلد أعمال الجـراب أ
ومن الصوف أعمال الخصوصات المغايرة لذلك. كنسيج

الخيوط. والأبسطة وما أشبه ذلك. وجوخ الإفرنج مختلف الجنس مع جوخ الروم بحسب اختلاف الصنعة مع كون كل منهما معمولا من الصوف.[1]

ترجمہ: مادہ، مقصد اور صنعت کے مختلف ہونے کے ساتھ جنس مختلف ہو جاتا ہے، مثلاً: روئی کا کپڑا اور کتان کا کپڑا مادے کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف جنس ہیں، اور بکری کے بال اور اس کی کھال مختلف جنس ہیں مقصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے؛ کیونکہ کھال سے مقصود جراب (چیزیں محفوظ کرنے کا تھیلہ وغیرہ) بنانا ہے اور بالوں سے اس کے علاوہ دوسرے کام لئے جاتے ہیں، جیسے دھاگے بننا اور چٹائی وغیرہ ،فرانسیسی جوخ (ایک قسم کا موٹا کپڑا ہے جو بارش کے وقت استعمال کی جاتی تھی) اور رومی جوخ مختلف جنس ہیں باوجود اس کے کہ دونوں اون اور بالوں سے بنائی جاتی ہیں۔

یہ مادہ اصلاً اگرچہ "باب الوکالۃ" کا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ وکالت کے باب میں بھی جنسیت کا وہی معیار ہو جو باب الربا میں ہے، لیکن فقہاءِ کرام نے انہی تین امور کی بناء پر اختلافِ جنس کے جزئیات متفرع فرمائے ہیں، بلکہ بہت سے فقہاء کرام نے باب الربا میں یہی بیان فرمایا ہے کہ جنسیت کے اتحاد و اختلاف کا دار مدار انہی تین امور پر ہے، صاحبِ

---

[1] مجلة الأحكام العدلية، الوكالة، الفصل الثاني في بيان الوكالة بالشراء، المادة ١٤٦٩،ص ٢٨٦.

کفایہ وغیرہ حضرات نے وضاحت کے ساتھ یہی بات بیان فرمائی ہے،اس بناء پر یہاں مجلہ کا یہ مادہ ذکر کیا گیا۔ذیل میں ان تینوں کے متعلق کچھ تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

مقاصد ومنافع:

اگر دو اشیاء کے خریدنے اور استعمال کرنے کے مقاصد مختلف ہوں تو وہ مختلف جنس شمار ہوں گی۔ لیکن مقاصد سے کیا مراد ہیں ؟ حضرات فقہاءِ کرام کے کلام میں اس کا کوئی واضح معیار نظر نہیں آتا، اور جزئیات پر غور کرنے سے بھی اس میں کافی ابہام پایا جاتا ہے۔مثلاً اگر آٹا اور ستو کا آپس میں مبادلہ ہو جائے تو اس میں تفاضل جائز ہے یا نہیں؟ یہ دونوں ایک ہی جنس شمار ہوں گے یا مختلف اجناس؟

اس کے بارے میں تمام فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی جنس ہیں، اور چونکہ دونوں وزنی بھی ہیں، اس لئے ان میں تفاضل جائز ہے نہ ہی ادھار، دونوں کا برابر نقد سودا اصول کے مطابق تو جائز ہونا چاہئے لیکن ایک اور ضابطہ کی بنیاد پر امام صاحب نے اس کو بھی ممنوع قرار دیا، حضرات صاحبین نے امام صاحب کے اس موقف سے اختلاف کیا اور ان کو دو مختلف جنس قرار دیا۔

اب مقاصد ومنافع کی بات دونوں حضرات کے پیش نظر تھی لیکن اس کی تطبیق میں اختلاف ہو گیا، حضرات صاحبین نے دیکھا کہ آٹے سے مقصود یہ ہے کہ اس سے روٹی وغیرہ چیزیں تیار کی جائیں اور ستو سے یہ مقاصد پورے نہیں ہوتے، بلکہ اس کا الگ استعمال ہے کہ پانی ،شربت یا شہد میں ملا کر پیا جائے یا گھی میں پکا کر کھایا جائے، جب دونوں کے مقاصد اور طریقہ استعمال مختلف ہیں تو اجناس بھی مختلف قرار پائیں گے۔

امام صاحب کی طرف سے دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اصل مقصود دونوں سے تغذی ہی ہے، جب دونوں تغذی میں مشترک ہیں تو بس اس اتحاد کی وجہ سے اس کو ہم جنس کہا جائے گا اگرچہ دونوں کا طریقہ استعمال مختلف ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ کے اس موقف کا تقاضا یہ ہے کہ گائے اور بکری ،دونوں کے دودھ کو ایک ہی جنس قرار دیا جائے کیونکہ دودھ دودھ ہی ہے بکری کا ہو یا گائے کا، دونوں کا مقصود ایک ہی ہے، لہذا اس بنیاد پر دونوں قسم کے دودھ کا آپس میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہونا چاہیئے جبکہ تقریباً تمام فقہاء احناف اس کی اجازت دیدیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ نقل فرمایا کہ ان دونوں قسم کے دودھ کا مقصود ایک نہیں ، بلکہ دونوں میں فرق ہے، گائے کے دودھ سے موٹاپن پیدا ہوتا ہے جبکہ دیگر جانوروں کے دودھ میں یہ خاصیت موجود نہیں، اسی طرح بعض لوگوں کیلئے طبّی نقطہ نظر سے گائے کا دودھ مضر ہوتا ہے جبکہ بکری کے دودھ میں یہ نقصان نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ دونوں کی خصوصیات میں فرق ہے، اس لئے مختلف الجنس شمار ہوں گے۔

یہاں اس سوال کا جواب دینا مقصود نہیں کیونکہ یہ بحث کافی طویل ہے، مقصود صرف اتنا ہے کہ دونوں جگہوں میں مقصود کے اتحاد واختلاف پر جنس کے وحدت واختلاف کا مدار رکھا گیا، لیکن دونوں جگہوں میں مقصود کی الگ الگ تقریر کی گئی جس کی وجہ سے کوئی خاص اصول اخذ کرنا مشکل ہو جاتا ہے جو ان مثالوں کے علاوہ بھی کام آسکے۔

علامہ بابرتی رحمہ اللہ کی تحقیق

علامہ بابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مسئلہ کے سیاق وسباق میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کا جواب دیا ہے، جواب کے ضمن میں آپ نے ایک ضابطہ بھی ذکر فرمایا جس سے کافی حد تک معاملہ حل ہو جاتا ہے، چنانچہ جب امام شافعی رحمہ اللہ نے مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت کو اس بنیاد پر ہم جنس قرار دیا کہ سب کا مقصود تغذی ہی ہے اسلئے بیل، بکری سب ایک ہی جنس ہیں، علامہ بابرتی جواب میں فرماتے ہیں:

عن الشافعي - رحمه الله - أن المقصود من اللحم شيء واحد وهو التغذي والتقوي فكان الجنس متحدا. ولنا أنها فروع أصول مختلفة لما ذكرنا، واختلاف الأصل يوجب اختلاف الفرع ضرورة كالأدهان وما ذكر من الاتحاد في التغذي فذلك اعتبار المعنى العام كالطعم في المطعومات والتفكه في الفواكه، والمعتبر الاتحاد في المعنى الخاص[1]

ترجمہ: "امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ گوشت سے ایک چیز مقصود ہے اور وہ غذا اور قوت کا حاصل کرنا، لہذا جنس متحد ہے۔ ہماری دلیل یہ کہ مختلف گوشت مختلف اصول کے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ،اور اختلاف اصل ،اختلاف فرع کو لازم ہے، جیسے مختلف قسم کے

---

[1] العناية شرح الهداية،كتاب البيوع، باب الربا،ج٧ص٣٤.

تیل۔ اور امام شافعیؒ نے جو تغذی میں اتحاد کا ذکر کیا تو یہ معنی عام کا اعتبار کرنا ہے جیسا کہ طعم تمام مطعومات میں (متحد ہے)اور تفکہ تمام فواکہ میں (متحد) ہے، حالانکہ (جو اتحاد) معتبر ہے وہ معنی خاص میں اتحاد ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جن منافع کے متحد یا مختلف ہونے کی وجہ سے کسی چیز کے جنس میں تفاوت پیدا ہوتا ہے اس سے مراد "المعنی الخاص" یعنی قریبی مقصود میں اتحاد واختلاف ہے "المعنی العام" میں متحد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں، جن دو چیزوں کا قریبی مقصود ایک ہو وہ متحد الجنس شمار ہوں گی اور جو دو چیزیں اس میں مختلف ہو تو وہ مختلف الجنس متصور ہوں گی، اگرچہ عمومی مقاصد کے اندر دونوں میں اتفاق ہی کیوں نہ ہو۔

معنی خاص اور معنی عام پہچاننے کا معیار:

لیکن اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ "المعنی الخاص "اور"المعنی العام"کا معیار کیا ہے؟ کس قسم کے مقاصد کو قریبی اور کس قسم کو عام قرار دیا جائے؟ اس کا کوئی واضح جواب اس عبارت میں مذکور نہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کی مختلف اشیاء کے اندر جو قدر مشترک مقصد ہو وہ المعنی الخاص قرار دیا جائے گا اور مختلف انواع کے درمیان قدر مشترک منافع المعنی العام شمار ہوں گے، چنانچہ آپ نے المعنی العام کی دو مثالیں دی، مطعومات میں طعم اور فواکہ کے اندر تفکہ، مطعومات اور فواکہ ایک عام معنی ہیں جس کے ضمن میں کھانے اور پھل فروٹ کے بے شمار اشیاء داخل ہیں، گویا اہل منطق کی اصطلاح میں یہ جنس ہے جس کے تحت

مختلف حقائق کی حامل اشیاءداخل ہیں اور سب پر مطعومات اور فواکہ کااطلاق ہوتاہے، اسلئے یہ المعنی العام ہے جواتحاد جنس میں مؤثر نہیں۔

لفظ مطعومات اور فواکہ کے افراد میں سےایک خاص صنف کواگرفرض کرلیاجائے مثلاً گوشت، تواس کے منافع تقریباًایک جیسے ہی ہیں،اس میں اگرکچھ فرق بھی ہوتوبھی وہ جنسیت کے اختلاف میں مؤثر نہیں ہوگا۔لہٰذااس اصول کے تحت یہ المعنی الخاص میں شامل تصور ہوں گےاوراس لحاظ سےان سب کوایک ہی جنس کہاجائےگااگرچہ اختلاف جنس کے دوسرے معیار کی وجہ سےاس میں کچھ تفاوت بھی آجائےاوردو مختلف "اصول "سے حاصل ہونے کی وجہ سےاس کو مختلف جنس کہاجائےتاہم منافع کے اعتبار سے وہ متحدالجنس کہلائیں گے۔

اسی طرح فواکہ ایک کلی ہے جس کے تحت مختلف اجناس کی اشیاءشامل ہیں، کیلا، سیب،آم وغیرہ مستقل اجناس ہیں،جواگرچہ مطلق غذائیت میں باہم شریک ہیں لیکن سب کے اختصاصی منافع بالکل مختلف ہیں، البتہ ایک جنس مثلاآم کے مختلف افراد کے درمیان اگرتھوڑاکچھ فرق ہوتواس کی وجہ سے جنسیت میں اختلاف پیدانہیں ہوگا۔

اختلافِ مقصود پہچاننے کاطریقہ:

یہاں تک کے تفصیل کاخلاصہ یہ ہواکہ مختلف اشیاءکےدرمیان جنس کےاتحادواختلاف کے پہچاننے کیلئے پہلامعیار یہ ہے کہ اس کے منافع ایک جیسے ہوں،اب اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگاکہ دومختلف اشیاءکے مقاصدایک ہیں یا نہیں؟دونوں کے منافع متحد ہیں یامختلف؟

علامہ کرابیسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے سادہ اور آسان انداز میں اس کو سمجھانے کی کوشش فرمائی، آپ کتاب البیوع میں ذکرکردہ دومسئلوں کے درمیان وجہ فرق تحریر کرنے کے ضمن میں فرماتے ہیں :

إذا قال: "بعتك هذه النعجة فإذا هو كبش فـالبيع جـائز ".وإذا قال: بعتك هذه الجارية فـإذا هـو غـلام فـالبيع فاسـد. والفـرق أن المقصـود مـن الجاريـة الاسـتخدام والاستمتاع والاستفراش، وأمـا المقصـود مـن الغـلام التصرـف والاسـتخدام والتجـارة، فـالأغراض مـنهما تتباعد فصار اختلاف الأغراض كـاختلاف الأجنـاس، ولو سمى جنسا وأشار إلى جـنس آخـر لم يجـز، كـذلك هذا. وليس كذلك النعجة والكبش لأن المقصود مـنهما يتقارب، وهو اللحم فلم يصر كالجنسين المختلفين، فقد سمى جنسا وأشار إلى ذلك الجنس، فلـم يمنـع صـحة العقد. فإن قيل المقصود من النعجة اللبن. قلنـا: اللـبن ربما يوجد وربما لا يوجد، ولا تختلف القيمـة باختلافـه وتختلف باختلاف اللحم، دل على أنه مقصـود غالبـا لا اللبن.[1]

---

[1] الفروق للکرابیسی، کتاب البیوع، ج2ص88.

ترجمہ: "اگر (بائع مشتری سے) کہے کہ میں نے یہ دنبی آپ کو بیچ دی، جب دیکھا تو وہ دنبہ تھا تو بیع درست ہے۔ اور اگر کہا کہ میں نے یہ باندی آپ کو بیچ دی اور جب دیکھا تو وہ غلام تھا تو بیع فاسد ہے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ باندی سے مقصود خدمت، نفع کا حصول اور جنسی تسکین ہوتا ہے، اور غلام سے مقصود تصرفات، خدمت اور تجارۃ ہوتا ہے، لہذا دونوں کے اغراض میں بہت فرق ہے، تو اختلاف اغراض، اختلاف جنس کی طرح ہو گیا اور اگر کوئی ایک جنس ذکر کرے اور اشارہ دوسرے جنس کی طرف کرے تو درست نہیں، اسی طرح یہ بھی ہے۔ دنبی اور دنبے کا معاملہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ دونوں کا مقصود قریب ہی ہے اور وہ گوشت ہے، تو یہ مختلف جنس کی طرح نہیں، لہذا جنس کا ذکر کیا اور اسی جنس کی طرف اشارہ بھی کیا تو صحت عقد سے مانع نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ دنبی سے مقصود دودھ ہوتا ہے، تو ہم کہیں گے کہ دودھ تو کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں۔ اور اس کے اختلاف سے قیمت پر فرق نہیں پڑتا اور گوشت کے اختلاف سے پڑتا ہے۔ تو یہ اس پر دال ہے کہ مقصود گوشت ہے نہ کہ دودھ۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے مقاصد پہچاننے کا عام فہم طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ عام طور پر لوگ کس کام کیلئے اس کو خریدتے اور استعمال کرتے ہیں اگر لوگ دو مختلف اشیاء ایک ہی کام کیلئے خریدتے اور استعمال کرتے ہوں تو وہ متحد الجنس شمار ہوں گی اگرچہ دونوں کے غیر ضروری خصوصیات باہم مختلف بھی ہوں، ان خصوصیات

کی وجہ سے جنسیت متاثر نہیں ہو گی کیونکہ تمام خصوصیات میں یکجہتی انتہائی مشکل ہے اسلئے ان خصوصیات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اختلافِ جنس کا دوسرا معیار: اختلافِ اصول

دوسری چیز جس سے جنس مختلف ہو جاتاہے وہ اختلاف اصول ہے، یعنی اگر دو اشیاء بالکل ایک جیسے ہوں اور ان کے مقاصد بھی ایک قسم کے ہوں لیکن دونوں کا مادہ مختلف ہو تو وہ دو مختلف اجناس شمار ہوں گے، فقہاء کرام نے اس کی بنیاد پر مختلف تفریعات کئے چنانچہ اگر ایک طرف اونٹ کا گوشت رکھا جائے اور دوسری طرف گائے کا گوشت ہو، دونوں کے مقاصد ایک ہی ہے اگرچہ بعض خصوصیات مختلف بھی ہے، تاہم مجموعی طور پر ایک ہی جنس شمار کیا جانا چاہئے لیکن چونکہ دونوں کا اصل اور مادہ مختلف ہے اسلئے فقہاء کرام نے دونوں کو مختلف الجنس قرار دیا اور اسی بناء پر دونوں کے باہمی تبادلے میں تفاضل کو جائز کہا۔

البتہ یہاں یہ بات بھی واضح ہونی ضروری ہے کہ اختلاف الاصول سے مراد یہ نہیں کہ دو اشیاء کے اصول ذات کے اعتبار سے مختلف ہو بلکہ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے اصول مختلف الجنس نہ ہو اگرچہ ذات کے اعتبار سے متعدد ہو مثلا بھیڑ اور بکری دو مختلف جانور ہیں ان دونوں کا گوشت یا ان کا دودھ ایک ہی جنس شمار ہو گا اگرچہ اصول بظاہر مختلف نظر آرہے ہیں لیکن چونکہ یہ اختلاف جنسیت کا اختلاف نہیں ہے اسلئے دونوں کو متحد الجنس قرار دیا جائے گا۔

اختلافِ جنس کا تیسرا معیار: صنعت

اختلافِ جنس کی تیسری وجہ صنعت ہے، صنعت انسان کی کاریگری کو کہا جاتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دو چیزیں مقاصد میں مشترک ہوتے ہیں دونوں کے مادے اور اصل میں بھی کوئی معتد بہ فرق نہیں ہوتا لیکن جب اس میں انسانی صناعت داخل ہو جاتی ہے تو جنسیت مختلف ہو جاتی ہے۔

صناعت کی وجہ سے ایک مادے سے بنے ہوئے دو مختلف قسم کے مصنوعات بھی مختلف الجنس ہو جاتے ہیں اور خود مادے اور اس سے بنے ہوے مصنوع کی جنسیت بھی مختلف ہو جاتی ہے، مثلاً روئی ایک مادہ ہے اس سے اگر کپڑا بنایا جائے تو وہ کپڑا روئی کا ہم جنس نہیں ہو گا، اسی طرح اگر اسی مادے سے کپڑے کے علاوہ اور مصنوعات تیار ہو جائے تو وہ اس کپڑے کے ساتھ متحد الجنس نہیں کہلائیں گے کیونکہ دونوں کا اصل اگرچہ ایک ہے لیکن صناعت دونوں کی مختلف ہے تو اس اختلافِ صنعت کی وجہ سے یہ مختلف جنس قرار پائیں گے۔

"مبسوط" میں ہے:

قال: (وإذا اختلفا النوعان فكذلك) بيان أنهما جنسان وكذلك المصنوع من أصل لا يكون جنسا للأصل كالقطن مع الثوب فكيف يكون جنسا لمصنوع آخر على هيئة أخرى من ذلك الأصل فعرفنا أن باتحاد الأصل لا تثبت المجانسة وباختلاف الصفة لا تنعدم المجانسة أيضا كما في الأموال الربوية فالحنطة العفنة مع الحنطة

الجيـدة جـنس واحـد وكـذلك السـقي مـع التجنبـي والفارسي مع الدقل في التمر جنس واحد مـع اخـتلاف الوصف[1]

ترجمہ: اور جب نوع مختلف ہو جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ اس کا بیان ہے کہ یہ دو جنس ہیں، اور اسی طرح کسی مادے سے بنی ہوئی چیز اس مادے کی ہم جنس نہیں ہوتی، جیسے روئی اور کپڑا، تو کس طرح وہ چیز دوسرے مصنوع کے ساتھ جو اس مادے سے دوسری ہیئت پر بنی ہے، ہم جنس ہو گی، اس سے یہ بات معلوم معلوم ہوئی کہ اتحاد مادہ سے اتحاد جنس ثابت نہیں ہوتا اور اختلاف صفت سے اتحاد جنس ختم نہیں ہوتی، جیسے کہ اموال ربویہ میں، تو باسی گندم اور عمدہ گندم ایک جنس ہے اور اسی طرح سقی و تجنبی اور فارسی ودقل (کھجور کی قسمیں ہیں) اختلاف وصف کے باوجود جنس واحد ہیں۔

کیا صناعت اختلافِ جنسیت کا مستقل سبب ہے؟

فقہاءِ کرام کے کلام کو مجموعی طور پر دیکھنے اور اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صنعت اختلافِ جنسیت کا کوئی مستقل سبب نہیں، بلکہ:

الف: اگر اس کی وجہ سے کسی چیز کے مقاصد اور اس سے متعلقہ اغراض میں فرق پیدا ہو جائے۔

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب الربا، ج١٢ ص١٢٢.

ب: یاصناعت کے دوران مزید کسی چیز کااضافہ ہو جائے توان دونوں صورتوں میں جنسیت مختلف ہو جائے گی، ورنہ اگر نہ تو اس سے مقاصد میں کچھ فرق آیا نہ ہی مزید کسی چیز کااضافہ ہواتو محض صناعت سے جنسیت میں فرق نہیں آئے گا، چنانچہ عام طور پر فقہاء کرام دو جگہوں میں صناعت کو مؤثر جانتے ہیں۔ایک بیع الق طن بالکرباس کے مسئلہ میں اور دوسری جگہ بیع الخبز بالدقیق میں۔

اگر روئی اوراس سے بنے ہوئے کپڑے کاآپس میں تبادلہ ہو رہاہو تواس صورت میں فقہاءِ کرام نے تفاضل کو جائز قرار دیااور وجہ اس کی یہ بتلائی کہ کپڑے بننے سے کپڑے کی وہ جنس نہ رہی جو پہلے تھی لہذا چونکہ دونوں مختلف الجنس ہیں اسلئے تفاضل جائز ہے،اسی طرح اگر کوئی گندم کے بدلے روٹی کی خرید وفروخت کرے تواس میں بھی تفاضل درست ہے وجہ وہی ہے کہ پکاناایک انسانی صنعت ہے جس کی وجہ سے جنس مختلف ہوگئی۔

روٹی پکانے کواختلافِ جنسیت میں مؤثر قرار دیا گیالیکن ذبح کواس تفاوت میں کافی نہیں سمجھا گیایہی وجہ ہے کہ بکری کا گوشت زندہ بکری کاہم جنس ماناگیا،زیتون اوراس سے نکالے ہوئے تیل کوہم جنس فرمایاگیااوراس جنس کے تمام مسائل میں جنسیت کااختلاف تسلیم نہیں کیاگیا، تمام جزئیات پر غور کرنے سےاصل بنیادیہی معلوم ہوتی ہے کہ صناعت دراصل کوئی مستقل معیار نہیں ہے بلکہ حدیثِ مبارکہ میں جو "مثلا بمثل "فرمایاگیا،اس میں ربالمثل کے تح قق کیلئے مماثلت کوبطور شرط ذکر کیاگیاجب تک دواشیاءکے درمیان یہ مماثلت برقرار ہو تووہ ہم جنس کہلائیں گے، اوراگر کبھی انسانی صناعت سےاس میں اتناتفاوت آجائے جس کی وجہ سے وہ منصوص مماثلت برقرار نہ رہے تواس صورت میں اختلاف جنسیت کافیصلہ کیاجائے گا۔

ہندوستان کے مشہور فقیہ علامہ عبدالحہ لکھنوی رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد علامہ فتح محمد تائب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> "تفاوتِ کسبی: کسی چیز میں کوئی وصف انسانی کاریگری سے پیدا ہوتے ہوں، پس ان میں اگر اصل اور مادہ بعینہ باقی ہے سوائے صناعت کے کوئی ایسی چیز زیادہ نہیں ہوئی جس کے ملانے سے کچھ اثر پیدا ہوا ہو، جیسے سوت اور سوتی کپڑا، ریشم اور اطلس، لکڑی لوہے، تانبے چمڑے مٹی وغیرہ کی چیزیں، تیل اور تل یہ سب ہم جنس ہیں ، اسلئے کہ اصل اور مادہ بعینہ موجود ہے سوائے صناعت کے کچھ زیادتی نہیں ہوئی، اور اگر اصل اور مادہ پر کسی چیز کا اضافہ ہوا جیسے کاجل اور روشنائی، یا روئی اور کپڑا، رس اور چینی اور مٹھائی، یا انار سیب بہی، انگور اور ان کے شربت اور مربے وغیرہ، یہ سب آپس میں غیر جنس ہیں اسلئے ان کی اصل بعینہ موجود نہیں رہی۔ مگر سونا چاندی اگر کسی دوسری چیز میں مل جائے تو سونا چاندی کا اعتبار ہو گا"۔[1]

اس عبارت کے اندر سوت اور اور سوتی کپڑے کو ہم جنس قرار دیا گیا حالانکہ سابقہ تفصیل میں فقہاء کرام کی عبارات گزر چکے جن میں اس کو مختلف الجـ   جنس شمار کیا گیا تھا، شاید حضرت رحمہ اللہ کی مراد یہ ہو کہ محض صناعت یا تفاوت کسبی اس میں مؤثر نہیں

[1] عطرِ ہدایہ ص ۱۷۲، محقق و مخرّج. طبع مردان۔

اوراس کی وجہ سے ان دونوں کی جنسیت میں کوئی فرق نہیں آتا، اگرچہ اس تفاوت کے بعد اس کے منافع میں بھی اتنا تفاوت آیا کہ جس کہ وجہ سے دونوں مماثلت ختم ہوگئی اور اب یہ دونوں ایک جنس باقی نہ رہیں۔

اموالِ ربویہ کے اندر مختلف فروق اوراس کے احکام:

اوپر جس تفاوت کی وجہ سے اختلاف جنسیت کی تفصیل ذکر کی گئی اس سے مراد وہ تفاوت ہے جو انسانی صناعت سے پیدا ہو جائے، انسانی صناعت کے بغیر اوصاف میں تفاوت اس باب میں کوئی مؤثر نہیں ، لہٰذا اگر ایک صنف کے دواشیاء میں اعلی وادنی کا فرق ہو تواس کی بنیاد پر ان دونوں کی جنسیت مختلف نہیں ہو گی، اور چونکہ جنس متحد ہے اسلئے اگر قدر میں بھی اتحاد ہو تو تفاضل اور نسیہ دونوں ناجائز قرار پائیں گے، محض ایک عوض کے جودت اور عمدگی کی وجہ سے کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اگر قدر مختلف ہوں تو تفاضل جائز اور نسیہ بدستور ناجائز ہو گی۔

فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اموال ربویہ کے اندر ایک جنس کی عمدہ اور غیر عمدہ چیز برابر ہیں دونوں کے تبادلے کی وہی تفصیل ہے جو اوپر درج ہو چکی، عام طور پر اس پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جیدہاوردیہاسواء" لیکن علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے، البتہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی جو روایت صحیحین میں منقول ہے اس سے یہی معنی وضاحت کے ساتھ مستفاد ہو جاتا ہے۔

امام زیلعی رحمہ اللہ صحیحین کی اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عن سعيد بن المسيب أن أبا سعيد الخدري، وأبـا هريـرة حدثاه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سواد بن غزية، وأمره على خيـبر، فقـدم عليـه تمـر جنيـب يعنـي الطيب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أكل تمـر خيبر هكذا"؟ قال: لا والله يـا رسـول الله، إنـا نشـتري الصاع بالصاعين، والصاعين بالثلاثة من الجمـع، فقـال عليه السلام: " لا تفعل، ولكن بع هذا، واشتر بثمنه من هذا، وكذلك الميزان"[1]

ظاہر ہے کہ "جنیب" کھجور عمدہ تھی تبھی تواوراقسام کے دوصاع کے بدلے اس کاایک صاع ملتا تھالیکن چونکہ اتحاد جنس وقدر کی وجہ سے دونوں اموال ربویہ میں سے ہیں اسلئے حضور ﷺ نے ایک کے عمدہ ہونے کے باوجود ایک طرف سے زیادہ کھجور دینے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی گویا دونوں کے برابری کو ضروری قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ اموال ربویہ کے تبادلہ میں محض صفات کی عمدگی کی بناپر تفاضل جائز نہیں۔

فقہاءِ کرام کے ذکر کردہ جزئیات اوران کی اہمیت

تقریباً تمام فقہاءِ کرام نے باب الربا کے اندر جہاں ربا البیع کی علت کا تذکرہ کیا تو وہی اپنے زمانے کے اندر مختلف قسم کے اشیاء کے بارے میں یہ بحث بھی فرمائی کہ ان کی جنس متحد ہے یا مختلف؟ اور جنسیت کے اس اتحاد واختلاف کی وجہ کیا ہے؟ مختلف النوع

[1] نصب الراية، كتاب البيوع، باب الربا،ج٤ص٣٦.

اشیاء پر بحث و تمحیص اور تعلیل و توجیہ کے ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات نے کن امور کی بنیاد پر جنس کے اتحاد واختلاف کا حکم لگایا، اسلئے یہ بحث نہایت اہمیت کا حامل ہے جس سے واضح ہو جائیگا کہ حدیث میں جو مختلف اشیاء کے تبادلہ کے وقت مماثلت کا حکم دیا گیا اور کمی و بیشی اور ادھار سے ممانعت کی گئی انہی نصوص سے ان حضرات نے کیا سمجھا؟ ان ہی امور میں غور وخوض کرنے کے بعد ہی جنسیت کے اتحاد واختلاف کا کوئی واضح معیار مقرر کیا جاسکتا ہے۔

فقہائے کرام کے ذکر کردہ جزئیات کا مختصر جدول

یوں تو فقہ کے ہر کتاب کے اندر اس بحث میں کچھ نہ کچھ امور کی جنسیت کی تفصیل موجود ہے جس کا احاطہ کرنا دشوار ہے، تاہم فقہ حنفی کی دو اہم کتابوں سے یہ تمام امور مختصراً ذکر کئے جاتے ہیں جس میں تقریباً تمام اہم اور بنیادی امور سامنے آجائیں گے، وہ دو کتابیں ہدایہ اور در مختار ہیں ، ان کے مصنفین حضرات نے اکثر اہم مسائل کو اپنے اپنے طرز کے مطابق ذکر فرمایا ہیں۔ دونوں کتابوں میں مندرجہ ذیل امور کے جنسیت پر بحث کی گئی ہے:

نمبر شمار	عوضین	جنس کا اتحاد واختلاف
۱	بیع الحنطۃ بالدقیق	متحد الجنس
۲	بیع الحنطۃ بالسویق	أیضا
۳	بیع الدقیق بالدقیق	أیضا
۴	بیع الرطب بالتمر	أیضا

۵	بیع العنب بالزبیب	أیضا
۶	بیع الزیتون بالزیت	أیضا
۷	بیع السمسم بالشیرج	أیضا
۸	بیع اللحمان المختلفۃ	مختلف الجنس
۹	بیع البان البقر والغنم	أیضا
۱۰	بیع خل الدقل بخل العنب	أیضا
۱۱	بیع شحم البطن بالالیۃ	أیضا
۱۲	بیع شحم البطن باللحم	أیضا
۱۳	بیع الخبز بالحنطۃ	أیضا
۱۴	بیع الخبز بالدقیق	أیضا
۱۵	بیع الکرباس بالقطن والغزل	أیضا
۱۶	ثوب ہروی بثوب مروی	أیضا
۱۷	بیع الدقیق بالسویق	امام اعظم کے نزدیک متحد الجنس ہیں، صاحبین کا اختلاف ہے۔
۱۸	بیع اللحم بالحیوان	شیخین کے نزدیک مختلف الجنس ہیں، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ محض ذبح ہونے کی وجہ سے اختلاف جنسیت کے قائل نہیں ہے۔
۱۹	بیع القطن بالغزل	امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق مختلف الجنس ہیں۔

"قدر" کا مفہوم ومقصود

قدر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے دوسرے چیز کی مقدار معلوم کی جاسکے، لفظ کی اس وسعت میں کیل،وزن، شمار، گز، لیٹر ومیٹر وغیرہ تمام امور داخل ہیں ؛کیونکہ ان سب آلات کے ذریعے مختلف چیزوں کی مقدار معلوم کی جاتی ہے؛اس لئے "قدر" کا لفظ ان تمام اشیاء کو شامل ہے، لیکن یہاں یہ عموم مراد ہے نہ ہی یہ تمام امور ربالفضل کی علت ہے، بلکہ یہاں اس سے خاص کیل اوروزن مراد ہے، اور علت ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ جن دوامور کے درمیان کیل یاوزن میں اتحاد پایا جائے گویااس میں ربا کی علت کاایک جز موجود ہے، اگر ان دونوں چیزوں کی جنس مختلف بھی ہو تب بھی قدر میں اس اتحاد کی وجہ سے کم از کم ادھار ناجائز رہے گا۔

قدر کو علت ٹھہرانے کی وجہ

قدر کو علت اس لئے قرار دیا گیا کہ حدیثِ مبارکہ میں جن امور کے اندر ربالفضل کی نشاندہی فرمائی گئی تھی ان میں سے چار امور کے درمیان یہ وصف مشترک ہے، سونااور چاندی کے سواچاروں چیزیں اس وقت یاتو کیل سے فروخت ہوتی تھی یاوزن کے ساتھ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وصف کا ربا کے حکم میں خاص دخل ہے، نیز رباا ور فضل ومماثلت کے الفاظ جو ان نصوصِ مبارکہ میں ارشاد فرمائے گئے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان نصوص کا منشامندرجہ اجناس کے درمیان برابری کو برقرار رکھنا ہے کہ دونوں چیزیں بالکل برابر رہیں اور کوئی کمی وبیشی نہ آنے پائے، ادھار بھی چونکہ تفاضل ہی کی ایک شکل ہے اسلئے اس کی بھی ممانعت کردی گئی، لہذااصل مقصود تفاضل منع کرنا ہے اور مماثلت یاتفاضل کا علم قدر ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے، کیل یاوزن ہی

کے ذریعے یقینی طور پر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کونسی چیز کتنی مقدار میں ہے، اسلئے اس کو علت کا ایک جز بنادیا گیا۔

قدر کو کیل ووزن کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ اور اس کے نتائج:

لفظِ "قدر" دراصل مقدار اور تعداد کو کہا جاتا ہے، اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ذریعے کسی چیز کی مقدار معلوم کی جاسکے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے عصر حاضر کے ناپ وتول کے وہ تمام آلہ جات اس میں داخل ہو جاتے ہیں جو اس مقصد کیلئے استعمال ہوتے ہیں، بعض اشیاء تول کر بکتی ہیں بعض چیزیں لیٹر وغیرہ مختلف پیمانوں سے فروخت ہوتے ہیں، کچھ چیزوں کو درجن یعنی شمار وغیرہ سے خریدا جاتا ہے، کپڑے اور اس جنس کے اکثر چیزیں گز اور میٹر کے ساتھ فروخت ہوتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہاں ربا کے باب میں اس سے مراد قدر کے مندرجہ بالا اقسام میں سے صرف کیل اور وزن ہی مراد ہیں، ان دو کے علاوہ دیگر اقسام کے اندر اگر دو چیزیں متحد بھی ہو جائیں تو بھی ربا کا تحقق نہیں ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ربا کا حکم تعبدی ہے، اس میں ابتداءً قیاس سے کام نہیں لیا جاسکتا، بلکہ جن چیزوں کی نشاندہی کی گئی ہے، انہی یا ان جیسی اشیاء میں ہی حکم منحصر رہے گا، اور ان احادیث میں جتنی بھی اشیاء مذکور ہیں مجموعی اعتبار سے یا تو وہ کیلی تھے یا وزنی۔ عددی یا ذراعی کوئی چیز ان میں مذکور نہیں، اسلئے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اتحاد فی الکیل والوزن ہی کو علت قرار دیا۔

قدر کب ربا کی علت بنتی ہے؟

ربا کے تحقق کیلئے صرف دو اشیاء کا قدر میں مشترک ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ قدر کے جو دو مختلف ذرائع مقرر کئے گئے یعنی کیل اور وزن، اس کے اندر بھی دونوں

چیزیں متحد ہوں، یعنی دونوں چیزیں وزنی ہوں یادونوں کیلی ہوں، اگرایک کیلی اور دوسراوزنی ہے توا گرچہ نفسِ قدر میں دونوں مشترک ہیں لیکن اس میں ربا متحقق نہیں ہوگا کیونکہ اتحاد فی صفۃ القدر نہیں ہے[1]۔امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إن إسلام المكيل في الموزون جائز على كل حال لانعدام الوصفين جميعا إذ الاتفاق بين البدلين في الجنس ولا في القدر والموزون غير المكيل٢

ترجمہ: کیلی چیز کا وزنی چیز کے ساتھ بیع سلم کرنا ہر حال میں جائز ہے، کیونکہ دونوں وصفوں (کیل،وزن) میں اتحاد موجود نہیں،اس لئے کہ دونوں وصف جنس میں متحد ہیں اور قدر میں نہیں،اور موزونی مکیلی کا غیر ہے۔

علامہ فتح محمد تائب صاحب فرماتے ہیں:

"وزن اور کیل جنس واحد نہیں ہے لہٰذا کیلی چیز کو وزنی چیز کے بدلے فروخت کیاجائے تو قدر کا اعتبار نہ ہوگا، جیسے: دودھ کو چینی کے عوض فروخت کرے"1

---

1 یعنی مطلق قدر میں اتحاد کافی نہیں ہے، لہٰذا ایک چیز کیلی اور دسری وزنی ہو تو اس لحاظ سے ان میں ربا متحقق نہیں ہوگا، بلکہ قدر کی صفت میں متحد ضروری ہے کہ یا تو دونوں چیزیں وزنی ہوں یا پھر دونوں ہی کیلی ہوں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ "قدر" کو شرط اس لئے ٹھہرایاجاتاہے تاکہ چیزوں کے کم زیادہ ہونے کا علم ہوجائے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتاہے جبکہ دونوں کے ناپ وتول کا پیمانہ ایک ہو۔

2 المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، باب الربا،ج١٢ص ١٢١.

کیاقدر کیلئے کوئی خاص مقدار ضروری ہے؟

حنفیہ کے نزدیک رباالفضل کی علت اتحادِ جنس وقدر ہے، قدر کی تفصیل سابقہ ابحاث میں گزر چکی کہ جس چیز سے مختلف اشیاء کی مقدار وکمیت معلوم کی جاسکے وہ قدر کہلاتا ہے، اور چونکہ اس زمانے میں قدر کی سب سے کم صورت صاع مروج تھا گویاکہ صاع سے کم مقدار چیز میں اتحاد فی القدر نہیں، اسلئے اس میں ربالفضل کا تحقق بھی نہیں ہوگا، چنانچہ ہمارے ہاں سیب وزنی ہےاس کو اگر دو سیب کے عوض فروخت کیاجائے تو چونکہ صاع سے کم ہے اسلئے اتحاد فی القدر مفقود ہے اور تفاضل جائز ہے، فقہاء حنفیہ نے اس اصول پر کئی مسائل متفرع فرمائے ہیں، گویا صاع سے کم اشیاء میں رباالفضل نہیں پایاجاتاا گرچہ دونوں طرف سے خرید وفروخت کی جانے والی اشیاء کیلی اور ہم جنس کیوں نہ ہوں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ويجوز بيع الحفنة بالحفنتين والتفاحة بالتفاحتين" لأن المساواة بالمعيار ولم يوجد فلم يتحقق الفضل، ولهذا كان مضمونا بالقيمة عند الإتلاف. وعند الشافعي رحمه الله العلة هي الطعم ولا مخلص وهو المساواة فيحرم، وما دون نصف الصاع فهو في حكم الحفنة لأنه لا تقدير في الشرع بما دونه، ولو تبايعا مكيلا أو موزونا غير مطعوم

[1] عطر ہدایہ، ص ۱۷۳۔

بجنسه متفاضلا كالجص والحديد لا يجوز عندنا لوجود القدر والجنس. وعنده يجوز لعدم الطعم والثمنية.[1]

ترجمہ: "ایک مٹھی کی بیع دو مٹھی کے عوض اور ایک سیب کی بیع دو کے بدلے جائز ہے"، کیونکہ برابری معیار کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ یہاں ہے ہی نہیں، لہذا اضافہ متحقق نہیں، اور اسی وجہ سے عند الاتلاف یہ مضمون بالقیمۃ ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں علت طعم ہے اور مساوات سے خلاصی نہیں لہذا حرام ہے، اور نصف صاع سے کم مٹھی کے حکم میں ہے، کیونکہ اس سے کم میں کوئی شرعی مقدار نہیں ، اور اگر غیر مطعوم مکیلی یا موزونی چیز اپنے جنس کے ساتھ تفاضل کے ساتھ بیچا جائے، جیسے: چونا اور لوہا تو ہمارے ہاں جائز نہیں، اس لئے کہ قدر اور جنس موجود ہیں۔ اور امام شافعیؒ کے ہاں جائز ہے، کیونکہ طعم اور ثمنیۃ نہیں ہے"۔

علامہ معلی بن منصور کی وقیع رائے

عام طور پر فقہاءِ کرام یہی فرماتے ہیں کہ نصفِ صاع سے کم مقدار میں تفاضل ناجائز نہیں، لیکن حضرات صاحبین کے شاگرد امام معلی بن منصور الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ، جو بڑے درجے کے متقی پرہیزگار تھے اور حفظ حدیث میں بھی ان کا خاص مقام ہے امام

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب البيوع، باب الربا،ج٣ص ٦١.

ذہبی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے ان کو ثقہ قرار دیا، نے امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل فرمائی کہ یہ صورت بھی جائز نہیں۔

یہ روایت اگرچہ پہلی روایت کی طرح مشہور نہیں نہ ہی فقہاء کرام نے اس کو زیادہ ذکر کیا لیکن اصول و قواعد کے لحاظ سے کافی مضبوط ہے، کیونکہ ربا الفضل کے متعلق جن روایات میں ممانعت فرمائی گئی ان میں "سواء بسواء" کو ضروری قرار دیا اور کمی و بیشی کو "والفضل ربا" فرما کر ناجائز ٹھہرایا گیا، جنس وقدر کو علت تسلیم کرنے کے بعد دونوں اشیاء میں مساوات و مماثلت ضروری ہے، یہ الگ بات ہے کہ جس زمانے میں صاع سے کم کوئی پیمانہ رائج ہی نہ تھا اس وقت دونوں اشیاء میں بالکل برابری کا پتہ لگانا مشکل تھا، لیکن اب چونکہ ہر قسم کے پیمانے دستیاب ہیں جس کی وجہ سے چھوٹے بڑے ہر چیز کو تولنا اور اس کی مقدار معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں ہے، لہٰذا ان حالات میں اتنے واضح تفاضل کو کیسے گوارا کیا جائے۔

علامہ ابن الہمام کی تحقیق اور متاخرین کا فتویٰ

محقق بن الہمام رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

ولا يسكن الخاطر إلى هذا بل يجب بعد التعليل بالقصد إلى صيانة أموال الناس تحريم التفاحة بالتفاحتين والحفنة بالحفنتين، أما إن كانت مكاييل أصغر منها كما في ديارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصري فلا شك، وكون الشرع لم يقدر بعض المقدرات الشرعية في الواجبات المالية كالكفارات وصدقة الفطر بأقل منه لا

يستلزم إهدار التفاوت المتيقن، بل لا يحل بعد تيقن التفاضل مع تيقن تحريم إهداره، ولقد أعجب غاية العجب من كلامهم هذا.

ترجمہ: اس بات پر دل مطمئن نہیں ہو رہا، بلکہ اس تعلیل کے بعد کہ مقصود لوگوں کے اموال کا تحفظ ہے، ایک سیب کے بدلے دو سیب اور ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھی کا حرام قرار دینا واجب ہو جاتا ہے، اگر اس سے کم کیل کا پیمانہ ہو جیسے ہمارے علاقوں میں ربع قدح اور ثمن قدح مصری کا مقرر کرنا تو ربا میں اس کے معتبر ہونے میں شک نہیں ۔اور شریعت نے جو بعض مالی واجبات مثلاً: کفارات اور صدقۃ الفطر میں اس سے کم مقدار متعین نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یقینی تفاوت کو بھی کالعدم قرار دیدے، بلکہ تفاضل کے یقین کے بعد اور تفاوت کو کالعدم قرار دینے کی حرمت کے یقینی ہونے کے بعد حلال نہیں۔اور مجھے ان کے اس کلام پر حد درجہ تعجب ہے۔

اپنی اس رائے کے اظہار کے بعد آپ نے امام معلی بن منصور کی وہ روایت بھی نقل فرمائی جس میں انہوں نے امام محمد رحمہ اللہ کی تصریح روایت کی ہے کہ انہوں نے بھی اس کو مکروہ سمجھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

وروى المعلى عن محمد أنه كره التمرة بالتمرتين وقال:
كل شيء حرم في الكثير فالقليل منه حرام[1]
ترجمہ: امام معلیؒ نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں ایک کجھور دو کے بدلے فروخت کو مکروہ سمجھا اور فرمایا: کہ وہ چیز جو کثیر میں حرام ہو تو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بڑی قوت کے ساتھ اپنی اس رائے کو بیان فرمایا، اور یہ ان کا کوئی تفرد یا انفرادی خیال نہیں، بلکہ بعد کے جمہور فقہاء کرام نے بھی آپ کی اس بات سے اتفاق فرمایا، علامہ ابن نجیم، علامہ شرنبلالی اور علامہ شامی وغیرہ جیسے جلیل القدر فقہاء کرام نے آپ کی بات کو تائیداً اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ آپ کے مندرجہ بالا کلام کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

فهذا كما ترى تصحيح لهذه الرواية وقد نقل من بعده كلامه هذا وأقروه عليه كصاحب البحر والنهر والمنح والشرنبلالية والمقدسي.[2]
ترجمہ: یہ جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں اس قول کی تصحیح ہے اور انہوں نے اس کے بعد امام معلی کا یہ کلام ذکر کیا ہے، اور صاحب بحر، صاحب نہر

---

[1] فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا، ج٧ص ٩.

[2] ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب الرباج ٥ص١٧٦، ايچ ايم سعيد.

،صاحب منح اور علامہ شرنبلالی اور علامہ مقدسی نے بھی ان کی تائید کی

ہے۔

کس دور کے کیل ووزن معتبر ہیں؟

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی چیز ایک زمانے میں وزن کے ساتھ فروخت ہوتی ہے لیکن بعد کے دور میں وہی چیز کیل کے ساتھ فروخت ہونی شروع ہوتی ہے، بہت سی چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں پیمانے کے ذریعے بیچی جاتی تھی لیکن آج کل اس میں پیمانے کا رواج بالکل ہی مفقود ہے، وزن ہی کے ساتھ بیچی اور خریدی جاتی ہے، چنانچہ اسی حدیثِ مبارک میں جہاں ربا الفضل کی ممانعت مذکور ہے، وہی گندم کا بھی ذکر ہے کہ اگر گندم کا تبادلہ گندم کے ساتھ ہو تو دونوں میں برابری بھی ضروری ہے اور نقد در نقد معاملہ کرنا بھی ضروری ہے، ادھار جائز نہیں، گندم اس زمانے میں پیمانے کے ذریعے فروخت ہوتی تھی، لیکن بعد کے ادوار میں یہ صورت حال برقرار نہ رہی اور پیمانے کے بجائے وزن کے ساتھ فروخت ہونے لگی۔

اب سوال یہ ہے کہ ان جیسی اشیاء میں مماثلت اور برابری سے کیا مراد ہے؟ وزن میں برابری کافی ہے یا پیمانے کے ذریعے ہی مماثلت برقرار رکھنا ضروری ہے؟

طرفین کا مسلک اور اس کی دلیل

اس نکتہ میں اکابر فقہاءِ احناف کا اختلاف ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جو چیز کیلی تھی وہ قیامت تک کیلی ہی رہے گی اور جو چیز اس دور میں وزن کے ساتھ فروخت ہوتی تھی وہ ہمیشہ وزنی ہی رہے گی

، بعد کے ادوار میں اگر اس کے خلاف رواج ہونے لگے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، رواج کی وجہ سے کسی چیز کی سابقہ حیثیت متاثر نہیں ہو گی۔

علامہ خسرو رحمہ اللہ طرفین کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہے:

(البر والشعير والتمر والملح كيلي والذهب والفضة وزني) فإن كل ما نص رسول الله – صلى الله عليه وسلم – على تحريم التفاضل فيه كيلا فهو كيلي أبدا، وإن ترك الناس الكيل فيه مثل الحنطة والشعير والتمر والملحو كل ما نص على تحريم التفاضل فيه وزنا فهو وزني أبدا، وإن ترك الناس فيه الوزن كالذهب والفضة (لا يغيران بعرف) لأن النص أقوى من العرف والأقوى لا يترك بالأدنى (بخلاف ما عداها) أي ما عدا الأشياء الستة فإن ما لم ينص عليه فهو محمول على عادات الناس لقوله – صلى الله عليه وسلم ما رآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن[1]

ترجمہ: (گندم، جو، کھجور اور نمک کیلی ہیں اور سونا چاندی وزنی ہے) پس جس چیز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیلا تفاضل کو حرام قرار دیا تو وہ ہمیشہ کیلی رہے گی اگرچہ لوگ اس میں کیل چھوڑ

---

[1] درر الحكام شرح غرر الأحكام، كتاب البيوع، باب الربا، ج٢ ص١٨٧.

دے، جیسے: گندم، جو، کھجور اور نمک، اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وزن کے اعتبار سے تفاضل کو حرام قرار دیا ہو تو وہ ہمیشہ وزنی رہے گی اگر چہ لوگ اس میں وزن چھوڑ دے، جیسے: سونا و چاندی۔ (عرف کے ذریعے یہ دونوں تبدیل نہ ہونگے) اس لئے کہ نص قوی ہوتا ہے عرف سے اور قوی کو ضعیف کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاتا۔ (بخلاف ان کے علاوہ کے) یعنی ان چھ چیزوں کے علاوہ، اس لئے کہ جہاں نص نہیں ہوتی وہ لوگوں کی عادات پر محمول ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی بناء پر کہ: "مومنین جس چیز کو اچھا سمجھے وہ اللہ تعالی کے ہاں بھی اچھا ہے"۔

ان حضرات کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ جب اس زمانے میں لوگ کسی چیز کے ساتھ کیلی یا وزنی ہونے کا معاملہ کرتے تھے اور حضور ﷺ نے دیکھنے اور علم ہونے کے باوجود اس پر سکوت اختیار فرمایا تو یہ سکوت و تقریر ہی بمنزلہ نص ہے گویا اس چیز کا کیلی یا وزنی ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ نص کے مقابلے میں عرف و تعامل کی کوئی وقعت ہی نہیں۔ علامہ خوارزمی رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

والجواب عنه ان تقرير رسول الله ﷺ ايـاهم علـى ماتعارفوا فی ذلک بمنزلة النص منه فلايتغـير بـالعرف لانه لايعارض النص[1]

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کو اپنے عمل پر برقرار رکھنا یہ آپ ﷺ کے نص کی طرح ہے، لہذا عرف کی وجہ سے تبدیل نہ ہوگا، اس لئے کہ عرف نص کا معارض نہیں ہو سکتا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف اور دلیل

حنفیہ ہی میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ کسی چیز کے کیلی یا وزنی ہونے کا دار مدار لوگوں کے باہمی تعامل اور لین دین پر ہے، جو چیز جس زمانے میں کیل کے ساتھ فروخت کی جاتی ہو وہ کیلی قرار پائے گی اور جو وزنی سمجھی جاتی ہو وہ وزنی کہلائے گی، حضور ﷺ کے دور مبارک میں جو چیز کیلی تھی اگر اب بھی لوگ اس کو کیل ہی کے ساتھ فروخت کرتے ہوں تو کیلی رہے گی ، ورنہ اگر لوگوں نے اس کو وزنی قرار دیا تو وزنی کہلائے گی، محض حضور ﷺ کے دور میں کیلی یا وزنی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز ہمیشہ کیلئے اسی حیثیت پر برقرار رہے، بلکہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اس میں اختلاف آسکتا ہے۔

---

۱ الکفاية علی الهداية، كتاب البيوع، باب الربا، ج۶ ص۱۵۶.

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بعض احادیث میں جو بعض اشیاء کو کیلی یاوزنی قرار دیا گیا یا لوگوں کا تعامل دیکھ کر آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، تو اس کی اصل بنیاد عرف و تعامل ہی تھا۔ شریعت کا منشا کسی چیز کو کیلی یاوزنی قرار دینا نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو لوگوں کے باہمی تعامل پر چھوڑ دیا اور اسی تعامل کو مد نظر رکھ کر ہی بعض اشیاء کو کیلی یاوزنی کہا گیا، تو اصل بنیاد چونکہ تعامل الناس ہی ہے، اسلئے اگر مختلف ادوار میں اس کا استعمال مختلف ہو جائے تو حیثیت بھی مختلف ہو جائے گی۔

صاحبِ ہدایہ آپ کا موقف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> وعن أبي يوسف أنه يعتبر العرف على خلاف المنصوص عليه أيضا لأن النص على ذلك لمكان العادة فكانت هي المنظور إليها وقد تبدلت[1]
>
> ترجمہ: امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ وہ منصوص علیہ کے خلاف بھی عرف کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے کہ اس حکم میں نص بھی عرف پر مبنی ہوتا ہے، تو نص کی بنیاد وہ علت ہوتی ہے اور وہ تبدیل ہو گئی۔

اس قول کے مطابق حضور ﷺ کے سکوت و تقریر کو اگرچہ نص کا درجہ حاصل ہے، لیکن چونکہ اس نص کی بنیاد لوگوں کا عرف و تعامل ہی تھا، اسلئے اگر تعامل تبدیل ہوتا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ نص بھی تبدیل ہو۔

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب البيوع، باب الربا، ج۳ ص٦٢.

راجح قول

حضرات طرفین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف اور دونوں نقطہ نظر کی بنیاد واضح ہو گئی، اب سوال یہ ہے کہ اس میں راجح قول کونسا ہے؟ ان دو مختلف اقوال میں سے مفتی بہ قول کونسا ہے جس پر تمام جزئیات کا مدار رکھا جا سکے؟

توحقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے تقریباً تمام متون اور اکثر شروح میں جس انداز اور سیاق وسباق کے ساتھ یہ مسئلہ ذکر کیا گیا اس سے بظاہر یہی مترشح ہوتا ہے کہ حضرات طرفین کا موقف ہی مفتیٰ بہ ہے، چنانچہ بیشتر متون میں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو ذکر ہی نہیں کیا گیا اور جن میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ان میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا جس سے اصولِ افتاء کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طرفین کے موقف ہی کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن متاخرینِ حنفیہ میں سے بہت سے حضرات نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو راجح قرار دیا، محقق ابن الہمام رحمہ اللہ وہ فقیہ ہے جس نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی اور دونوں قسم کے دلائل پر محققانہ گفتگو کرنے کے بعد آخر میں اپنا یہی رجحان ظاہر کیا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف راجح ہے۔ طرفین کی طرف سے جو دلیل دی گئی کہ حضور ﷺ کا سکوت وتقریر بمنزلہ نص ہے جس کے مقابلے میں تعامل ہیچ ہے جیسا کہ علامہ خوارزمیؒ کی طرف سے بھی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے استدلال کے جواب میں اوپر تحریر کیا گیا، آپ اس کا دفاع کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولا يخفى أن هذا لا يلزم أبا يوسف لأن قصاراه أنه كنصه على ذلك وهو يقول: يصار إلى العرف الطارئ

بعد النص بناء على أن تغير العادة يستلزم تغـير الـنص، حتى لو كان – صلى الله عليه وسلم – حيـا لـنص عليـه على وزان ما ذكرنا في سنية التراويح، مع أنه – صـلى الله عليه وسلم – لم يواظب عليه بل فعله مرة ثم ترك، لكن لما بين عذر خشية الافتراض على معنـى لـولاه لواظـب حكم بالسنية مع عدم المواظبة، لأنا أمنا من بعده النسخ فحكمنا بالسنية، فكذا هذا لو تغيرت تلك العـادة التـي كان النص باعتبارها إلى عادة أخرى تغـير الـنص، والله أعلم[1]

ترجمہ:"یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اعتراض امام ابویوسفؒ پر وارد نہیں ہوتا، کیونکہ اس اعتراض کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہے کہ یہ تقریر رسول ﷺ نص کی طرح ہے، اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ :نص کے بعد عرف طاری پر عمل ہوگا، اس بناء پر کہ عرف کی تبدیلی نص کی تبدیلی کو مستلزم ہے، اگر رسول اللہ ﷺ زندہ ہوتے تو آپ ﷺ بھی اسی طرح حکم فرماتے جیسا کہ ہم نے تراویح کی سنیت میں ذکر کیا، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ نے اس پر ہمیشگی اختیار نہیں کی بلکہ ایک مرتبہ کئے اور پھر چھوڑ دیئے، لیکن جب فرض

[1] فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا، ج٧ص ١٥.

ہونے کے خوف کو بطور عذر پیش کیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا تو ہمیشگی اختیار فرماتے، تو عدم مواظبت کے باوجود بھی سنیت کا حکم کیا جائے گا، اس لئے کہ آپ ﷺ کے بعد نسخ سے اطمینان ہو گیا تو ہم نے سنیت کا حکم کیا، اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر وہ عرف جس پر نص کی بنیاد ہے، دوسرے عرف میں تبدیل ہو جائے تو نص بھی تبدیل ہو گا"۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ دوٹوک الفاظ میں اس قول کو ترجیح نہیں دی لیکن آپ کے بحث و تحقیق اور عمومی مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک امام ابویوسف رحمہ اللہ کا یہی قول ہی راجح ہے، اسی لئے بہت سے متاخرین نے آپ کی طرف منسوب کیا کہ فتح القدیر میں اسی روایت کی ترجیح وتقویت مذکور ہے۔ علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفيما لا نص فيه من الأموال الربوية يعتبر فيه العرف في كونه كيليا أو وزنيا. وأما المنصوص على كيله أو وزنه، فلا اعتبار بالعرف فيه عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله خلافا لأبي يوسف رحمه الله وقواه في فتح القدير من باب الربا[1]

---

[1] الأشباه والنظائر لابن نجيم، القاعدة السادسة: العادة محكمة،ج١ص٨٠.

ترجمہ:"اموال ربویہ میں سے جس کے بارے میں نص موجود نہیں اس میں کیلی اور وزنی ہونے کے متعلق عرف کا اعتبار ہے،اور جس کے کیلی یا وزنی ہونا منصوص ہو تو طرفین کے ہاں اس میں عرف کا اعتبار نہیں بخلاف امام ابویوسفؒ کے،اور فتح القدیر کے باب الربا میں اس کو قوی قرار دیا ہے۔

یہی بات آپ کے شاگرد علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی "شرح التنویر" میں نقل کی ہے"۔

معاصرین فقہاء کرام میں سے بھی بہت سے حضرات نے امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول ہی کو ترجیح دی ہے۔ شیخ مصطفی زرقاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے کہ کیا عرف کی وجہ سے نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس بحث کے ضمن میں انہوں نے ایک عنوان قائم کیا" **العرف الذی تزول به علة النص يعتبر ولوكان حادثا**" (ترجمہ:وہ عرف جو نص کی علت کو ختم کرتا ہے معتبر ہے اگرچہ حادث ہو)۔ اس عنوان کے تحت آپ نے مفید بحث ذکر کی ہے اور آخر میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کے اس موقف کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وهذالرأى مماانفرد به ابويوسف من اصحاب ابى حنيفة و هوالرأى اقوى مدركا وحجة وان كان الجمهور على خلافه[1]

---

[1] المدخل الفقهى العام، ص ۹۲۳.

ترجمہ: اس رائے کے ساتھ امام ابو یوسفؒ منفرد ہے امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں، اور یہ رائے دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اگرچہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔

صرف جنس یا قدر پائے جانے کا حکم

سابقہ تفصیل میں وضاحت کے ساتھ یہ بات گزر چکی کہ جنس و قدر میں اتحاد علت ہے، اگر ان دونوں امور میں اتحاد ہو تو تفاضل اور نسیئہ دونوں ناجائز ہوں گے اور اگر جنس اور قدر میں سے کسی ایک چیز کے اندر دونوں چیزیں متحد ہو جائے کہ یا تو دو اشیاء کی جنس ایک ہو قدر مختلف ہو مثلاً ایک خاص نوع کے دو کپڑے کہ دونوں کی جنس تو ایک ہے لیکن دونوں کیلی ہیں نہ وزنی، یا گندم اور جو کہ دونوں کے اجناس مختلف ہیں لیکن دونوں اس زمانے میں کیلی تھے اور آج کل دونوں وزنی بن چکے ہیں تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

اگر اس کو دیکھا جائے کہ ربا کی علت مجموعی طور پر دو امور ہیں اور وہ مجموعہ یہاں موجود نہیں ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ تفاضل اور یکطرفہ ادھار دونوں جائز ہو جائیں، اور اگر اس نکتہ پر نظر مرکوز رکھی جائے کہ مجموعہ اگرچہ موجود نہیں لیکن علت کا ایک جز تو موجود ہے، اس لئے اس کی تو کچھ تاثیر ظاہر ہونی چاہئے تو اس کے مطابق تفاضل اور ادھار میں سے کم از کم کسی ایک کے حد تک ربا کی تاثیر ظاہر ہونی چاہئے؟

آگے بڑھنے سے پہلے اگر ان نصوص کو گہری نظر سے دیکھا جائے جن میں ربا کی حرمت کا ذکر ہے اور جہاں سے حضرات فقہاء کرام نے ربا کی علت مستنبط فرمائی ہے تو اس سے بڑی حد تک یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے مختلف قسم کے چھ اشیاء کا ذکر فرمایا اور اس میں تفاضل اور ادھار کو ناجائز قرار دیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

" فإذا اختلفت هذه الأصناف، فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدا بيد"

یعنی اگران چھ اشیاء کا تبادلہ ہم جنس اشیاء کے ساتھ نہ ہو بلکہ خلاف جنس چیز کے بدلے بیچا جائے تو ان میں جیسے متعاقدین کی مرضی ہو بیچ سکتے ہیں، چاہے دونوں طرف چیز برابر ہو یا دونوں میں کچھ کمی وبیشی کے ساتھ معاملہ کیا جائے، تفاضل جائز ہے، تماثل کوئی ضروری ہے، البتہ اس تبادلہ کا ہاتھ در ہاتھ انجام پانا ضروری ہے، ادھار جائز نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف قدر کے ہوتے ہوئے بھی ادھار جائز نہیں، جب قدر کی یہ تاثیر حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوگئی حالانکہ وہ بھی جنس ہی کی طرح علت کا ایک جز ہے تو اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنس کی بھی یہی تاثیر ہونی چاہئے کہ محض اتحاد جنسیت کی وجہ سے ادھار ناجائز ہو۔

اس تشریح سے یہ اشکال خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ علت کے صرف ایک جزء کی موجودگی کی وجہ سے نسیئہ ہی کیوں ناجائز ہو جاتا ہے؟ حالانکہ نسیئہ میں عدم جواز کی بنیادی وجہ تو یہی ہے کہ اس میں تفاضل کا اندیشہ ہے نقد کے مقابلے میں ادھار کے اندر زیادہ فائدہ ہے تو جب تفاضل کے اندیشہ کی خاطر نسیہ کا دروازہ بالکل
بند کر دیا گیا تو جو حقیقتاًاور یقیناً تفاضل ہو اس کو کیونکر جائز کہا جاسکتا ہے؟ اسلئے یا تو تفاضل اور ادھار دونوں کو ناجائز کہا جائے یا دونوں کی اجازت دی جائے۔

اگرچہ حضرات فقہاءِ کرام نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن سب سے اسلم جواب یہی ہے کہ ادھار کی یہ تخصیص حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ

بالاحدیث سے ثابت ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے جہاں اس اشکال کادوسراجواب دیا،توعلامہ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وإذا ضعف هذا فالوجه في هذا أن يضاف تحريم الجنس بانفراده إلى السمع كما ذكرنا، ويلحق به تأثير الكيل الوزن بانفراده ثم يستثنى إسلام النقود في الموزونات بالإجماع كي لا يفسد أكثر أبواب السلم وسائر الموزونات خلاف النقد لا يجوز أن تسلم في الموزونات وإن اختلفت أجناسها[1]

ترجمہ:"جب یہ ضعیف ہو گیاتواس میں راجح یہ ہے کہ اکیلے جنس کے متحد ہونے کی صورت میں نساء کا حرام ہونا نص سے ثابت ہے،اوراس کے ساتھ کیل کا وزن میں منفرد اثر کرنا ملحق کی گئی ہے،موزونات میں نقود کے ساتھ بیع سلم کرنا بالاجماع اس سے مُستثنیٰ ہے،تاکہ بیع سلم کے اکثر ابواب فاسد نہ ہو جائے ،اور تمام موزونات نقد کے خلاف ہیں ۔موزونات میں بیع سلم جائز نہیں اگر چہ ان کے جنس مختلف ہوں"۔

وزن کے مختلف انواع میں اتحاد کی نوعیت

[1] فتح القدير، كتاب البيوع، باب الربا،ج٧ص ١۴.

اس مقام پر فقہاء کرام نے ایک اور بحث بھی ذکر فرمائی ہے کہ قدر یا وزن میں اتحاد سے کیا مراد ہے؟ کیا صرف اتنا کافی ہے کہ دونوں اشیاء مارکیٹ میں وزن کے ساتھ فروخت ہوتے ہوں یا یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کے وزن کا طریقہ بھی ایک ہو؟ اسی طرح کیل کے بھی مختلف درجات اور متعدد انواع و اقسام رائج ہیں تو کیا صرف کیل میں شریک ہونے سے ربا کا حکم جاری ہوگا یا یہ بھی ضروری ہے کہ کیل کا طریقہ کار بھی ایک ہو؟

تقریباً تمام فقہاءِ احناف نے یہی فرمایا ہے کہ نفسِ کیل یا وزن میں مشترک ہونا ہی کافی نہیں بلکہ کیل وزن کے صفت یعنی طریقہ کار کا ایک ہونا بھی ربا کے تحقق کیلئے ضروری ہے، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ جن نصوص میں ربا سے منع فرمایا گیا جنس وقدر کو علت تسلیم کرنے کے بعد اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جو اشیاء قدر و جنس میں متحد ہوں ان کے تبادلے کے وقت میں تفاضل ناجائز ہے چاہے حساً ہو یا غیر حسی ادھار کی شکل میں، اس تبادلے میں مماثلت ضروری ہے۔ اور دو اشیاء کے درمیان مماثلت کی دو بنیادی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ہم مثل ہو اور دوسری بڑی بنیاد مقدار و تعداد ہے کہ مقدار بھی دونوں کی ایک ہو، اسی مقدار کے برابری کیلئے اتحاد فی القدر ضروری ہے یعنی مقدار کی کمی یا زیادتی کیل یا وزن سے ہی معلوم کی جاسکتی ہے، تو گویا اتحاد فی القدر اموال ربویہ کے درمیان مقدار جاننے اور معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور جب اس کا طریقہ کار ہی مختلف ہو تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ جب یہ اشکال سامنے آیا کہ زعفران میں فقہاءِ کرام کے نزدیک بیعِ سلم جائز ہے حالانکہ زعفران بھی وزنی ہے اور نقود کا بھی یہی حال ہے کہ اس زمانے میں وزن

ہی کے ذریعے استعمال ہوتے تھے، تو دونوں کے وزنی ہونے کالازمی تقاضایہ ہے کہ ادھار جائزنہ ہو جب کہ بیع سلم ادھار ہی کا نام ہے۔ فقہاء کرام نے اس اشکال کا یہی جواب دیا کہ نفس وزن ہونے میں اگرچہ دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے وزن کا طریقہ کار مختلف ہیں، اسلئے اتحاد فی القدر نہ رہااور بیعِ سلم کی اجازت دی گئی۔

ہدایہ میں ہے:

إذا أسلم النقود في الزعفران ونحوه يجوز، وإن جمعهما الوزن لأنهما لا يتفقان في صفة الوزن، فإن الزعفران يوزن بالأمناء وهو مثمن يتعين بالتعيين، والنقود توزن بالسنجات وهو ثمن لا يتعين بالتعيين. ولو باع بالنقود موازنة وقبضها صح التصرف فيها قبل الوزن، وفي الزعفران وأشباهه لا يجوز، فإذا اختلفا فيه صورة ومعنى وحكما لم يجمعهما القدر من كل وجه فتنزل الشبهة فيه إلى شبهة الشبهة وهي غير معتبرة.[1]

ترجمہ:" اگر نقود کے ساتھ زعفران میں سلم کرے تو جائز ہے، اگرچہ دونوں وزنی ہیں، کیونکہ دونوں صفت وزن میں متحد نہیں ہیں۔ اس لئے کہ زعفران کا وزن من کے حساب سے کیا جاتا ہے اور زعفران مبیع بنتا ہے اور متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ اور نقود

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣ ص٦٢

پتھروں کے ساتھ وزن کئے جاتے ہیں اور یہ ثمن ہیں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ اگر نقد کے ساتھ زعفران وزن کے اعتبار سے بیچا اور نقود پر قبضہ کیا تو وزن سے پہلے اس میں تصرف جائز ہے،اور زعفران اور اس کی طرح چیزوں میں قبضے سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ جب دونوں (نقود اور زعفران) وزن میں صورۃ، معنیٰ اور حکما مختلف ہیں تو قدر ان کو من کل الوجوہ جمع نہیں کرتا، لہذا اس میں شبہۃ الشبہ پیدا ہو گیا اور وہ غیر معتبر ہے"۔

کس وقت کا مساوات ضروری ہے؟

اموال ربویہ کے اندر اگر کوئی ایسی چیز آجائے جس کا وزن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود کم ہوتا ہو تو ایسی چیز کے تبادلے کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس وقت کے وزن کا اعتبار کیا جائے؟ جس وقت خرید و فروخت کی جارہی ہو اس وقت موجودہ وزن کے لحاظ سے مماثلت برقرار رکھی جائے یا اس کے بعد خشک ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا؟

ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت خرید و فروخت کا معاملہ کیا جارہا ہے اسی وقت دونوں اشیاء کا جو وزن ہو اس کے اعتبار سے اگر مماثلت کی جائے تو اتنا کرلینا کافی ہے اور یہ بیع جائز ہو گی، بیع ہو چکنے کے بعد اگر خشک ہو جانے یا وقت گزرنے کی وجہ سے وزن میں کچھ کمی پیدا ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی وجہ سے سابقہ بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر تازہ انگور کا تبادلہ کیا جائے کشمش کے ساتھ اور دونوں طرف وزن مساوی ہو تو ان حضرات کے نزدیک یہ بیع جائز ہو گی اگرچہ وقت گزرنے کے بعد انگور خشک ہو جائے اور اس کی موجودہ وزن برقرار نہ رہے۔

حضرات شیخین کے مسلک کی بنیاد:

اس موقف کو اختیار کرنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بیع کے متعلق جو احکامات شریعت کی طرف سے دئے جاتے ہیں ، عقد کے وقت ان کا لحاظ کرنا ضروری ہے جب ایک مرتبہ عقد وجود میں آجائے تو مبیع کی ملکیت خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور بیع کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں اس کے بعد اگر کچھ معروضی حالات پیش آجائیں تو ان کا ذمہ دار بائع نہیں ہو گا، یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ جب تازہ اور خشک کھجور کا باہم تبادلہ ہوا اور دونوں کا وزن اس وقت بالکل برابر تھا تو یہی کافی ہے اس کے بعد اگر کچھ دن گزرنے کے بعد وزن میں کمی آجائے تو اس کی ذمہ داری فروخت کنندہ پر عائد نہیں ہو گی اور نہ ہی اس معروضی حالت کی وجہ سے سابقہ عقد پر کوئی اثر پڑنا چاہئے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا موقف:

حنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ صرف عقد کے وقت موجودہ وزن کا اعتبار کر لینا کافی نہیں بلکہ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ خشک ہونے سے کسی ایک عوض کے وزن میں کچھ کمی نہ آنے پائے، لہٰذا جن اشیاء کا وزن خشک ہو جانے یا وقت گزرنے کے ساتھ کم ہوتا ہے اگر اس کا تبادلہ اسی جنس کے خشک چیز کے ساتھ کیا جائے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے عام طور پر اتحاد فی القدر بھی پایا جاتا ہے اور جب ربا کی یہ دونوں علتیں موجود ہے تو تفاضل اور ادھار دونوں نا جائز ہے، تماثل ضروری ہے اس کے بغیر یہ تبادلہ جائز نہیں ہو گا، اور چونکہ کچھ وقت

گزرنے سے وزن میں کم ہو جائے گا اور موجودہ وزن کا اعتبار نہیں، اسلئے اس میں تماثل ممکن نہیں، لہٰذا یہ تبادلہ بھی جائز نہیں۔

امام محمد کے موقف کی اصل بنیاد:

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے اس موقف کی بنیاد اس حدیث پر رکھی جو خود آپ نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی، چنانچہ آپ امام مالک سے نقل فرماتے ہیں:

أن زيدا أبا عياش مولى لبني زهرة، أخبره أنه سأل سعد بن أبي وقاص عمن اشترى البيضاء بالسلت؟ فقال له سعد: أيهما أفضل؟ قال: البيضاء، قال: فنهاني عنه، وقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عمن اشترى التمر بالرطب؟ فقال: «أينقص الرطب إذا يبس»؟ قالوا:نعم، «فنهى عنه»

ترجمہ: ابو عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جو تر کھجور خشک کھجور کے بدلے خریدے (کہ جائز ہے یا ناجائز؟) تو سعدؓ نے مجھے کہا کہ ان میں کونسا افضل ہے؟ فرمایا تر کھجور، فرمایا کہ حضرت سعدؓ نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ان سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا تو چوہاروں کے زریعے تر کھجور خریدتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "کیا تر کھجور خشک ہونے کے بعد کم

ہو جاتے ہیں ؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ہاں ! تو آپ ﷺ نے اس سے روکا۔

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ جب آپ ﷺ سے تازہ اور خشک کھجور کے تبادلہ کے بابت سوال ہوا، تواولاً آپ ﷺ نے حاضرینِ مجلس سے یہی تحقیق فرمائی کہ کیاتازہ کھجور خشک ہو جانے سے کم ہوتے ہیں ؟ جب حاضرین نے ہاں میں جواب دیاتو آپ نے سائل کواس تبادلے سے منع کر دیا۔

چونکہ یہ روایت اس باب میں بالکل واضح اور صریح ہے اسلئے امام محمداس کے بعد فرماتے ہیں:

قال محمد: وبهذا نأخذ، لا خير في أن يشتري الرجل قفيز رطب بقفيز من تمر، يدا بيد، لأن الرطب ينقص إذا جف، فيصير أقل من قفيز، فلذلك فسد البيع فيه[1]

ترجمہ: امام محمدؒ نے فرمایا: اس پر ہم عمل کرتے ہیں، اس میں کوئی خیر نہیں کہ ایک آدمی ایک قفیز چوہاروں کے بدلے ایک قفیز تر کھجور ہاتھ در ہاتھ خریدے، اس لئے کہ تر کھجور خشک ہونے کے بعد کم

---

[1] موطأ مالك رواية محمد بن الحسن الشيباني، كتاب البيوع، باب ما يكره من بيع التمر بالرطب، رقم الرواية: ٧٦٥، ص٢٦٩

ہو جاتے ہیں، تو قفیز سے کم ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے اس میں بیع فاسد ہے۔

بظاہر یہ استدلال کافی مضبوط معلوم ہوتاہے اسلئے بہت سے حضرات مجتہدین اور متعدد ائمہ متبوعین نے اس کی وجہ سے وہی موقف اپنایا جو امام محمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا، لیکن حضرات شیخین نے اس استدلال کو قبول نہیں کیا۔

حدیث سے حضرات شیخین کے استدلال نہ کرنے کی وجہ:

حدیث کے اتنے واضح ہونے کے باوجود حضرات شیخین نے اس سے استدلال نہیں کیا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت دراصل دو حضرات سے منقول ہے، امام مالک جو اوپر ذکر ہوئی، اور اس کے دوسرے راوی اسامہ بن زید ہے، امام مالک سے تو یہی الفاظ منقول ہے جو موطا کے حوالہ سے اوپر ذکر کئے گئے، البتہ حضرت اسامہ بن زید کی روایت کے الفاظ مختلف ہیں، ان کے بعض شاگردوں نے تو ان سے وہی الفاظ نقل فرمائے ہیں جو امام مالک سے منقول ہے اور بعض شاگردوں نے روایت میں " الی اجل" یا "نسیئۃ" کی قید کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، چنانچہ امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الربيع بن نافع أبو توبة، حدثنا معاوية يعني ابـن سلام، عن يحيى بـن أبي كثـير، أخبرنـا عبـد الله، أن أبـا عياش، أخبره أنه، سمع سـعد بـن أبي وقـاص، يقـول: «نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عـن بيـع الرطـب بالتمر نسيئة»، قال أبو داود: رواه عمران بـن أبي أنـس،

عن مولى لبني مخزوم، عن سعد، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه[1]

ترجمہ:ابو عیاشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ :"رسول اللہ ﷺ نے تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے"۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے مطلقاً "بیع الرطب بالتمر" کو منع نہیں فرمایابلکہ ان کے ادھار تبادلے کو منع فرمایااور اس کی وجہ واضح ہے کہ دونوں کی جنس ایک ہےاور اتحاد فی الجنس کی وجہ سے ادھار ناجائز ہے۔

امامِ طحاوی کی ترجیح اور اس پر ردودو نقود

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دو کتابوں شرح معانی الاثار اور بیان مشکل الاثار میں اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے جس میں آپ نے اولاً حسب معمول اس روایت کے مختلف طرق نقل فرمائے پھر وہ طرق روایت کئے جن میں ادھار کی قید موجود ہے،اس کے بعد حضرات شیخین کے مذہب کو مزید کچھ عقلی دلائل سے راجح قرار دیا۔

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے امام طحاوی کے اس کلام کی تردید کی ہے جس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "سنن کبریٰ" میں نقل فرمایاہے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تلخیص الحبیر" میں ذکر کیاہے، ان دونوں حضرات کے حوالے سے امام طحاوی کی اس توجیہ سے اختلاف کیا، لیکن ان تمام ردود و نقود پر امام علی بن عثمان الترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الجوہر النقی" میں

---

[1] سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في التمر بالتمر، رقم الرواية: ٣٣٦٠،ج٣ص٢٥١.

مختصر اور جامع بحث فرمائی ہے جس سے مجموعی طور پر امام طحاوی کی کر کردہ توجیہ کو تقویت ملتی ہے۔

صنعت کی وجہ سے اختلافِ قدر

قدر میں اتحاد تب ہی موجبِ ربا ہے جب دونوں چیزیں ایک ہی قدر کے ساتھ خریدی اور فروخت کئے جاتے ہوں ، اگر کسی وجہ سے ایک چیز میں وہ قدر بالکل متروک ہو جائے تو اب اتحاد فی القدر بھی نہیں رہے گا۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ جس مقصد کیلئے اتحاد فی القدر کو علت بنایا گیا تھا وہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب دونوں چیزوں کو معاشرہ میں یہی حیثیت حاصل ہو کہ ایک کیل وزن سے ناپی اور تولی جائیں، اگر یہ حیثیت ختم ہو جائے تو کمی وزیادتی کو معلوم کرنے کا فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

البتہ جن چیزوں کا وزنی یا کیلی ہونا احادیث میں منصوص نہ ہو، نہ ہی حضور ﷺ کے دورِ مبارک میں اس کا کوئی معمول ہو تو ان چیزوں کے اندر یہ تو یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اگر لوگوں کے اندر اس کے وزن کے ساتھ فروخت ہونے کا رواج ہو جائے اور پھر کسی وقت یا صناعت وغیرہ کی وجہ سے یہ رواج تبدیل ہو جائے تو اب یہ متحد فی القدر نہیں کہلائیں گے، لیکن جن چیزوں کا کیلی یا وزنی ہونا آپ ﷺ کے دور سے چلا آرہا ہو اس کے بارے میں وہی اختلاف ہے جو سابقہ ابواب میں تفصیل سے گزر چکا کہ ائمہ احناف میں سے حضرات طرفین کے نزدیک اس رواج کا کوئی اعتبار نہیں اور سابقہ حالت ہی برقرار رہے گی۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک نئے رواج کی وجہ سے اس چیز کی سابقہ حیثیت تبدیل ہو جائے گی اوراب یہ متحد فی القدر نہیں ہوں گے۔

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإذا أسلم الفلوس في شيء من ذلك فلا بأس به لأن الفلوس قد خرجت من الوزن إلا الصفر وحده فإني لا أجيز أن يسلم الرجل فيه الفلوس وكذلك لو باع سيفا بشيء مما يوزن إلى أجل أو أسلم السيف في شيء مما يوزن إلى أجل كان ذلك جائزا لأن السيف قد خرج من الوزن إلا الحديد فإنه نوع واحد وكذلك كل متاع أو إناء مصوغ من حديد أو نحاس قد خرج من الوزن ولا بأس بأن يسلم فيها يوزن من السمن والزيت والعسل وأشباه ذلك من الأدهان ولا بأس بأن يبيعه نسيئة بشيء من ذلك، ولا بأس بأن يبيع إناء مصوغا من ذلك بإناء مصوغ يدا بيد فيه أكثر مما فيه من الوزن إذا كان ذلك الإناء لا يباع وزنا، وكذلك الفلوس لا بأس بأن يستبدل فلسا بفلسين أو أكثر يدا بيد ولا خير فيه نسيئة وهذا قول أبي يوسف، وقال محمد لا يجوز ذلك يدا بيد

ولا نسيئة لأن الفلـوس ثمـن إن ضـاع منهـا شيء قبـل القبض وجب على صاحبه مكانه لأنه من نوعه[1]

ترجمہ:اگر فلوس کی بیع سلم ان میں سے کسی چیز میں کی جائے تو اس میں حرج نہیں ،اس لئے کہ فلوس موزونی ہونے سے نکل گئے ہیں ،البتہ پیتل میں فلوس کے ذریعے بیع سلم کو میں جائز نہیں سمجھتا۔اسی طرح اگر تلوار کسی موزونی چیز کے بدلے ادھار بیچ دی یا تلوار کی کسی موزونی چیز کے ساتھ ایک مدت تک بیع سلم کی تو یہ جائز ہوگا،کیونکہ تلوار وزنی ہونے سے نکل گئی ،البتہ لوہا نہیں نکلا،کیونکہ یہ نوع واحد ہے۔اسی طرح ہر وہ سامان یا برتن جو لوہے یا کانسی سے بنی ہو وہ بھی وزنی ہونے سے نکل گئے ہیں اور اس میں حرج نہیں کہ کوئی ان برتنوں کا موزونی چیزوں : گھی ، تیل ،شہد اور اسی طرح کی دوسری تیلوں میں بیع سلم کرے،اوراس میں حرج نہیں کہ کوئی ان برتنوں کا ان چیزوں کے ساتھ ادھار بیع کرے،اوراس میں حرج نہیں کہ کوئی ان میں سے ایک برتن کو دوسرے برتن کے بدلے ہاتھ در ہاتھ بیچے اگرچہ ایک کا وزن دوسرے سے زیادہ ہو جبکہ یہ برتن وزنانہ بیچے جارہے ہوں ۔اسی طرح فلوس میں ایک فلس دو فلس یا زیادہ کے بدلے نقد بیچنے میں بھی حرج نہیں اور ادھار بیچنے میں کوئی خیر نہیں اور

---

[1] الأصل للامام الشيباني، كتاب البيوع والسلم،ج ٢ ص ٤١١.

یہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ نقد اور ادھار دونوں طرح ناجائز ہے، اس لئے کہ فلوس ثمن ہے، اگر ان میں سے قبل القبض کچھ ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے دوسرے لازم ہے اس لئے کہ یہ اس پہلے والے کے نوع میں سے ہیں۔

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا بأس بأن يبيع إناء مصوغا بإناء مصوغ من نوعه يدا بيد وإن كان أكثر منه في الوزن إذا كان ذلك الإناء لا يباع وزنا لأنه عددي متفاوت كالثياب وهذا بخلاف أواني الفضة والذهب فإنه يجري فيها ربا الفضل وإن كانت لا تباع وزنا في العادة لأن صفة الوزن في الذهب والفضة منصوص عليها فلا يتغير ذلك بالصنعة ولا يخرج من أن يكون موزونا بالعادة والعادة لا تعارض النص فأما في الحديد والشبه وما أشبه ذلك صفة الوزن ثابتة في العرف فيخرج من أن يكون موزونا بالصنعة وبالعرف وبتعارف الناس بيع المصوغ منه عددا[1]

ترجمہ: ایک برتن کو اپنے ہم جنس برتن کے عوض نقد بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وزن میں ایک زیادہ ہو جبکہ وہ برتن وزنا نہ بیچے

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، ج١٢ ص١٨٣.

جاتے ہوں،اس لئے کہ یہ کپڑوں کی طرح عددی متفاوت ہیں اور یہ سونے چاندی کے برتنوں کے خلاف ہیں ،اس لئے کہ ان میں ربالفضل جاری ہوتا ہے،اگرچہ عرف میں یہ وزنا نہیں بیچے جاتے ،کیونکہ سونے چاندی میں وزن کی صفت منصوص ہے تووہ صنعت سے تبدیل نہ ہوگی اور عرف کی بناء پر وزنی ہونے سے نہیں نکلے گے،عادت نص کے معارض نہیں ہو سکتا،لہذالوہے اور پیتل وغیرہ میں وزن عرف سے ثابت ہے ،تو صنعت اور عرف کی وجہ سے یہ موزونی ہونے سے نکل جائیں گے،لوگوں کے عرف میں لوہے کے مصنوعات عددی اعتبار سے فروخت ہوتے ہیں۔

مندرجات کے لحاظ سے مجانست کا حکم

مختلف اشیاءکے درمیان جنسیت کے اتحاداوراختلاف پر سابقہ مباحث میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔اس میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ بعض اوقات کوئی چیزاپنی ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے دوسری چیز کی ہم جنس نہیں ہوتی لیکن مندرجات کے لحاظ سے دونوں ہم جنس شمار ہوتے ہیں، یعنی ذات دونوں اشیاء کی مختلف اور مستقل ہوتی ہے لیکن ایک چیز کے ضمن میں وہ دوسری چیز بھی پائی جاتی ہے۔مثال کے طورپر ایک طرف زیتون کا خالص تیل ہےاور دوسری طرف زیتون کے دانے ہیں،دونوں بظاہر دومختلف اجناس ہیں، کہاں تیل اور کہاں دانے؟ایک جامد اور دوسرامائع،دونوں کانام، ظاہری شکل وصورت بالکل جداہیں لیکن دانے میں بھی تیل ہی ہوتاہے، گویادانے تیل

پر مشتمل ہیں، فقہاء کرام اس اعتبار سے بھی مختلف اشیاء کو متحدِ جنس قرار دیتے ہیں، اور اس اتحاد جنس کی وجہ سے دونوں اشیاء کو اموالِ ربویہ سمجھتے ہیں۔

لیکن چونکہ دونوں طرف صرف ایک ہی چیز نہیں بلکہ ایک طرف کچھ اضافہ بھی موجود ہے اس لئے مماثلت کافی نہیں، مثلاً مذکورہ صورت میں اگر ایک طرف ایک کلو تیل ہو اور دوسری طرف ایک کلو دانے تو ان کا آپس میں تبادلہ درست نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جس طرف سے صرف تیل دیا جارہا ہو وہ اس تیل سے زیادہ ہو جو دوسری طرف کے دانوں سے نکل سکتے ہے تاکہ دونوں طرف کے تیل بھی برابر ہو جائے اور دانوں کا عوض بھی مل جائے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا خير في الزيت بالزيتون لأنه لا يدري لعل ما في الزيتون أكثر مما أخذ من الزيت فإن كان ما في الزيتون من الزيت يعلم ذلك فلا بأس به ويكون الفضل الذي في الزيت بما بقي من ثفل الزيتون وكذلك دهن السمسم بالسمسم وكذلك العصير بالعنب وكذلك اللبن بالسمن وكذلك الرطب بالدبس ولا خير في شيء من هذا حتى تعلم أنت ما في السمسم من الدهن وما في العنب من العصير وما في اللبن من السمن وما في الرطب من الدبس أقل مما يعطي حتى يكون ما يفضل من اللبن بعد ما يخرج من السمن منه وثفل السمسم

وثفل العنب وثفل الرطب بعد ما يخرج من الدبس بالفضل الذي كان فيها أعطاه الآخر، ولا خير في شيء من هذا نسيئة[1]

ترجمہ: "زیتون کا تیل زیتون کے دانوں کے بدلے فروخت کرنے میں کوئی خیر نہیں، کیونکہ معلوم نہیں شاید دانوں میں موجود تیل خالص تیل سے زیادہ ہو، اگر زیتون میں موجود تیل کا علم ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، اور تیل کی اضافی مقدار زیتون کے چھلکے وغیرہ کے بدلے ہوگا، اسی طرح تل اور تل کے دانے بھی ہیں اور اسی طرح شیرہ اور انگور بھی ہیں، اسی طرح دودھ اور گھی بھی ہیں اور اسی طرح کھجور اور اس کا شیرہ بھی ہے، ان میں سے کسی چیز میں بھی خیر نہیں، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ تل میں جو تیل ہے اور انگور میں جو شیرہ ہے اور دودھ میں جو گھی ہے اور کھجور میں جو شیرہ ہے، وہ اس سے کم ہے جو دیا جارہا ہے، تو دودھ میں سے گھی نکالنے کے بعد جو بچ جائے گا اور تل کا چھلکا، انگور اور کھجور کا تل چھٹ شیرہ سے نکلنے کے بعد اس اضافے کے بدلے ہوگا جو دوسرے طرف میں ہے، اور ان چیزوں کے ادھار بیع میں کوئی خیر نہیں"۔

امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] كتاب الأصل للامام الشيباني، كتاب البيوع والسلم، ج ٢ ص ٤٠٨.

والأصل في جنس هذه المسائل أن المجانسة بين الشيئين تكون باعتبار العين تارة وباعتبار ما في الضمن أخرى ففيما وجدت المجانسة عينا لا تعتبر في الضمن حتى يجوز بيع قفيز حنطة علكة بقفيز حنطة أكلها السوس ولا يعتبر ما في الضمن وفي الحنطة بالدقيق تعتبر المجانسة بما في الضمن حقيقة وإن كان ذلك شيئا آخر حكما ثم لا مجانسة بين الزيت والزيتون صورة فإنما تعتبر المجانسة بما في الضمن وهو الزيت الذي في الزيتون.

فقہاءِ کرام نے اسی اصول کو متعدد مسائل پر منطبق فرمایا، اصولی طور پر جب دو ہم جنس اشیاء کا آپس میں تبادلہ ہو رہا ہو جس میں ایک طرف سے مزید کوئی چیز بھی شامل ہو تو اس میں اس اصول کا رعایت رکھنا ضروری ہے کہ اس اضافی چیز کا عوض مالک کو مل سکے اور وہ عوض بھی ایسا ہو جو حقیقی طور پر اس کا عوض بن سکے، یعنی مارکیٹ کے اندر دونوں کے ریٹ قریب قریب ہو، دونوں میں اتنا تفاوت نہ ہو کہ جس پر کوئی بھی لینے کیلئے تیار نہ ہوتا ہو ورنہ اس عوض کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ ایک طرف بلا عوض مزید اضافی چیز ملی جو کہ سود ہے۔

علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ درج بالا عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

وبيع أحدهما بالآخر على أربعة أوجه إن علم أن ما في الزيتون من الزيت أكثر من المنفصل فقد يتحقق الفضل الخالي عن العوض فلا يجوز البيع وكذلك إن علم أنه

مثله لأن ثفل الزيتون يكون فضلا خاليا عن العوض وإن كان لا يعلم كيف هو لا يجوز العقد عندنا۔۔۔وإن علم أن ما في الزيتون من الزيت أقل من المنفصل فالبيع جائز لأن المثل يصير بإزاء المثل والباقي من الزيت بإزاء التفل فلا يظهر الفضل الخالي عن المقابلة بهذا الطريق[1]

ترجمہ: "ایک کادوسرے کے عوض بیچنے کی چار صورتیں ہیں: اگر یہ معلوم ہو کہ زیتون کے دانوں میں موجود تیل زیادہ اس علاحدہ تیل سے تو اس صورت میں فضل خالی عن العوض متحقق ہو جائے گا تو بیع جائز نہیں، اور اسی طرح اگر معلوم ہو کہ دونوں تیل برابر تو بھی جائز نہیں ، کیونکہ زیتوں کا چھلکا فضل خال عن العوض ہو گا، اگر معلوم نہ ہو کہ دانوں میں کتنا تیل ہے تو ہمارے ہاں جائز نہیں۔۔۔۔ اگر معلوم ہو کہ زیتون کے دانوں میں موجود تیل علا حدہ تیل سے کم ہے تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ مثل، مثل کے بدلے ہو جائے گا اور باقی تیل چھلکے کے بدلے ہو جائے گا تو فضل خال عن المقابلہ لازم نہیں آئے گا"۔

جدید مصنوعات میں جنس وقدر کے پہچاننے کا ضابطہ

گزشتہ صفحات میں ربا الفضل اور اس کی دو علتوں (قدر و جنس) کے متعلق کچھ گفتگو کی گئی، یہاں اسی کے مطابق کچھ تطبیقی پہلو کو ذکر کرنا مقصود ہے چنانچہ موجودہ دور میں مختلف

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب البيوع، ج١٢ ص١٧٩.

اجناس کے آپس میں تبادلہ کا رواج ہو رہا ہے مثلاً گاڑی گاڑی کے بدلے، موبائل موبائل کے بدلے، جانور جانور کے بدلے وغیرہ، اور اس کے لئے مختلف جگہوں میں ثانوی بازار کے طور پر جگہیں مختص ہوتے ہیں۔

ایسی باہم تبادلہ کی چیزیں تو بہت ہیں جن کا احاطہ کرنا مقصود ہے نہ آسان، البتہ یہاں اختصار کے ساتھ چند ایک متفرق ضوابط لکھے جاتے ہیں جن کی بناء پر مختلف اشیاء کے درمیان قدر وجنسیت کے اتحاد واختلاف کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور اسی بنیاد پر ان معاملات کا حکم آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

ا۔ قدر سے صرف ناپ وتول کے پیمانے مراد ہے۔ قدر میں اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزیں تول کر یا ناپ کر بکتی ہو، لہٰذا اگر ایک چیز تول کر فروخت ہوتی ہے اور دوسری ناپنے کے ساتھ، تو ان کا قدر مختلف سمجھا جائے گا، پھر ناپ وتول کے آلات کے درمیان مختلف پیمانوں کا فرق بھی اختلافِ قدر کا سبب سمجھا جائے گا مثلاً سونا وچاندی بھی تول کر فروخت ہوتی ہے اور چینی، چاول، گندم وغیرہ اجناس بھی وزنی ہیں، مگر دونوں کے وزن کے آلات مختلف ہیں اس لئے دونوں کو مختلف القدر سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر کسی چیز کے مختلف انواع واصناف ہوں تو جن جن اقسام کے مقاصد واغراض مختلف ہوں گے، ان کو مختلف الجنس سمجھا جائے گا، مثلاً گاڑی ہے جو سائیکل، موٹر سائیکل سے لے کر بڑے بڑے کنٹینرز اور ریل گاڑیوں جیسی بیسیوں اقسام تک کو شامل ہے اور ان سب کو اصولاً گاڑی کہا جاتا ہے لیکن ہر ایک نوع کے مقاصد جدا جدا ہیں، مثلاً: رکشہ آدمی جس مقصد کے لئے بناتا یا خریدتا ہے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی ٹرک نہیں لیتا، اسی طرح موٹر سائیکل اکیلے یا دو تین آدمیوں کی سواری کے لئے خریدا جاتا ہے جبکہ پیک

اپ سامان لادنے یا بہت سے سواریوں کے نقل وحرکت کے لئے ہے، اسی طرح مثلاً موبائل کی دنیا میں سینکڑوں اقسام ہیں مگر ان کے درمیان استعمال واغراض کا تفاوت ہے، کیمرے اور ٹچ سکرین والا موبائل جن مقاصد کے لئے خریدا جاتا ہے وہ عام سادہ موبائل سے پورے نہیں ہو سکتے، خلاصہ یہ ہے کہ اغراض ومقاصد کے فرق کی وجہ سے ایک نام کے مختلف اصناف مختلف الجنس شمار ہوں گیں اور ان کے باہمی تبادلہ پر ربا کے احکام جاری نہیں ہوں گے جبکہ دونوں کا قدر ایک نہ ہو۔

۳۔ محض رنگ وروغن یا صانع (مینوفیکچر) کمپنی کے بدلنے سے بظاہر جنس تبدیل نہیں ہوگا جب کہ دونوں اشیاء کے اجزائے ترکیبی (مٹیریل) اور اغراض ومقاصد میں کوئی معتد بہ فرق نہ ہو، اسی طرح محض شکل وشباہت کا فرق بھی اختلاف جنس کا سبب نہیں ہے چنانچہ فقہاء کرام نے انگور ومنقی، کھجور وچھوارے، گندم وستّو وغیرہ بہت سے چیزوں باہم ہم جنس قرار دیا، لہٰذا دو مختلف کمپنیوں کے تیار کردہ گاڑیاں یا موبائل محض اس بنیاد پر مختلف الجنس شمار نہ ہوں گے کہ دونوں کی کمپنی مختلف ہے یا دونوں کا ماڈل یکسا نہیں ہے بلکہ دونوں چیزوں کے مٹیریل اور فوائد واغراض کو دیکھ کر ہی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ جب دو چیزوں کے اجزاء وپرزہ جات ایک جیسے ہوں اور دونوں کے منافع ومقاصد بھی یکسا ہوں تو اس کے بعد محض کوالٹی کے فرق کی وجہ سے دونوں کا جنس تبدیل نہ ہوگا بلکہ اس فرق کو جودا ور رداءت یعنی عمدہ ہونے نہ ہونے کی حیثیت دی جائے گی جس کا اموالِ ربویہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے، لہٰذا ان جیسے اشیاء کے باہمی تبادلہ میں وہی احتیاط برتنی ضروری ہوگی جو اموالِ ربویہ کے تبادلہ میں برتنی لازم ہے۔

۵۔نئے اور پرانے ہونے کا فرق بھی اختلافِ جنس کا موجب نہیں بلکہ جود ورداءت کے فرق کے مترادف ہے، لہٰذا اگر ہم دو جنس چیزوں میں ایک چیز نئی ہے اور دوسری پرانی، تو دونوں کے باہم تبادلہ کے وقت ادھار سے احتراز ضروری ہے۔

٦۔جب اس طرح دو ہم جنس اشیاء کا آپس میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا مقصود ہو تو دیکھا جائے گا کہ:

الف: اگر دونوں چیزوں کا "قدر" مختلف ہے کہ ایک ناپ کر فروخت کی جاتی ہے اور دوسری وزن کے ساتھ، یا دونوں مثلاً سیکڑے کے حساب سے فروخت ہوتی ہے تو کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک طرف سے کمزور یا کم قیمت چیز کے ساتھ کچھ نقد رقم یا کوئی دوسری چیز ملا کر دی جائے تو بھی مضائقہ نہیں، البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ معاملہ کرتے وقت ہی دونوں طرف سے ملنے والی چیز متعین کی جائے تاکہ ادھار اور نسیئہ نہ آئے ورنہ تو سود ہو جائے گا۔

ب: اور اگر جنس کے ساتھ ساتھ "قدر" میں بھی دونوں چیزوں کے درمیان یکسانیت پائی جائے تو اس صورت میں کمی بیشی کے ساتھ معاملہ کرنا اصلاً جائز نہیں، اگر کہیں کمی بیشی کے ساتھ ہی معاملہ کرنا مقصود ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو الگ الگ معاملے کئے جائیں چنانچہ اوّلاً مطلوبہ چیز نقد رقم کے ساتھ خریدی جائے، پھر اس نقد رقم کے بدلے باہمی اتفاق سے وہی ہم جنس چیز دیدی جائے، اس میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ دونوں معاملات کو ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رکھا جائے، ایک معاملہ میں دوسری کی شرط نہ لگائی جائے۔

باب سوم:

کاغذی کرنسی اور اس سے متعلقہ چند ضروری مسائل

موجودہ کاغذی کرنسی اور اس میں جنسیت وقدر کے اتحاد واختلاف کا معیار

موجودہ دور میں عموماً کاغذی کرنسی کا رواج ہے، دنیا جہاں کے اکثر ممالک میں اصلاً اسی کو زر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، یہاں قابل تحقیق بات یہ ہے کہ مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلہ میں قدر اور جنس کا کیا معیار ہوگا؟

جہاں تک "قدر" کا تعلق ہے تو یہ کرنسی اصلاً کاغذ سے بنائی جاتی ہے اور کاغذ وزنی چیز ہے تقریباً اکثر مقامات پر کاغذ وزن کے ساتھ فروخت ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بننے والی تمام کرنسیوں کو وزنی قرار دیکر "قدر" میں متحد قرار دیا جائے، لیکن چونکہ کرنسی بن جانے کے بعد اس کے وزنی ہونے کا پہلو بالکل ہی معدوم ہو جاتا ہے چنانچہ کوئی بھی کرنسی کا وزن کے ساتھ تبادلہ نہیں کرتا بلکہ ہر جگہ شمار اور گنتی کے لحاظ سے ہی اس کا لین دین کیا جاتا ہے، اس لئے اس اتفاقِ عام اور عرف عام کی وجہ سے اس کا وزنی ہونا بالکل متروک ہو چکا اور اب یہ کرنسی کاغذ کے ایک ٹکڑے ہونے کے باوجود وزنی نہیں رہا بلکہ عددی چیز بن چکی ہے۔

چنانچہ صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ ایک مسئلہ میں حضرات شیخین کی دلیل ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين ولا يعود وزنيا لبقاء الاصطلاح على العد إذ في نقضه في حق العد فساد العقد فصار كالجوزة بالجوزتين بخلاف النقود لأنها للثمنية خلقة.[1]

ترجمہ: "جب ثمنیت باطل ہوگئی تو یہ متعین کرنے سے متعین ہوگے اور دوبارہ وزنی نہیں بنیں گے، کیونکہ عرف اس کے عددی ہونے پر جاری ہے، اس لئے کہ عدد کے معاملے میں عرف کو توڑنے میں فساد عقد ہے، تو یہ ایک اخروٹ کا دو اخروٹ کے بدلے بیچنے کی طرح ہوا بخلاف نقود کے کہ وہ خلقۃً ثمن ہیں"۔

لہٰذا کرنسیاں، خواہ ایک ہی ملک کی ہو یا مختلف ممالک کی، قدری نہیں ہیں۔

کاغذی کرنسی میں جنسیت کے اتحاد واختلاف کا معیار

جہاں تک جنسیت کا تعلق ہے کہ دو مختلف قسم کی کرنسیاں ہم جنس شمار ہو گی یا مختلف؟ اور کرنسیوں کی حد تک جنسیت کے ایک یا متعدد ہونے کا معیار کیا ہوگا؟ تو یہ ایک تحقیق طلب اور بنیادی مسئلہ ہے جس پر دورِ حاضر کے بہت سے معاملات کے احکام مرتب ہوتے ہیں، ذیل میں اسی کی کچھ تفصیل ذکر کر دی جاتی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیسیوں چیزوں کے متعلق یہ بحث ذکر فرمائی ہیں کہ ان کا جنس ایک ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے؟ ان حضرات کی

---

[1] الهداية، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣ ص٦٣.

تفصیلات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کسی چیز کا اصل ومادہ اور اس کی بنیادی اغراض ومقاصد وفوائد ایسی چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر دو اشیاء کے ہم جنس ہونے نہ ہونے کا مدار رکھا جاتا ہے، کبھی کبھار اس کے علاوہ بھی کچھ باتوں کو اختلافِ جنس کی بنیاد کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے مثلاً نام واصطلاح کا اختلاف، شکل وصورت کا فرق وغیرہ، لیکن مآلِ کار وہ امور بھی ان ہی دو بنیادوں کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

اصل ومادہ کے لحاظ سے مختلف کرنسیوں کا جائزہ

اب اگر مختلف کرنسیوں کی مختلف اقسام کو دیکھا جائے تو اصل ومادہ کے لحاظ سے تو سب میں کوئی خاص فرق نہیں، بلکہ سب کاغذ سے بنائے جاتے ہیں، چاندی یا پیتل وغیرہ کے سکّوں کا رواج اب تقریباً ختم ہو چکا ہے، اب تقریباً تمام ممالک کی کرنسیاں مخصوص قسم کی کاغذ ہی سے بنائی جاتی ہیں۔ بناوٹ کا طریقہ کار، شکل وصورت اور اس پر درج کردہ علامات وعبارات اگرچہ مختلف ہوتے ہیں لیکن محض ان امور کو اختلافِ جنس کا معیار ٹھہرانا مشکل ہے۔

اغراض ومقاصد کے لحاظ سے جائزہ

جہاں تک اغراض ومقاصد کا تعلق ہے تو تمام کرنسیوں کا غرض ومقصد بھی ایک ہی ہے کہ اس کے ذریعے سے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدی جائیں، اس مروجہ کاغذی کرنسی کا سوائے اس کے کوئی خاص معتد بہ فائدہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعے اپنی ضرورت وپسند کی اشیاء حاصل کی جائیں، اگرچہ قوتِ خرید کے اندر تمام ممالک کی کرنسیاں ایک جیسی نہیں ہیں بلکہ عموماً ہر ملک کی کرنسی کی قیمت دوسرے ملک کی کرنسی سے مختلف ہوتی ہے، چنانچہ پاکستان کی سو روپیہ کی قیمت کویت کے ایک درہم کی قیمت سے کم ہے اسی طرح سعودی

عرب کا ایک ریال تقریباً تیس پاکستانی روپیہ کے برابر ہے لیکن کیا محض قوتِ خرید کے اس فرق کو اختلافِ جنس کا معیار بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض یہ تفاوت بھی اختلاف جنس کے لئے کافی نہیں ہے چنانچہ سونا اور چاندی کے درمیان اس قسم کا شدید تفاوت ہے مگر اس کے باوجود فقہاء کرام نے اصلاً دونوں کو متحد الجنس قرار دیا ہے، البتہ چونکہ اشیاءِ ستہ کی حدیث میں دونوں کو ایک دوسرے پر عطف کر کے جدا جدا ذکر کیا گیا ہے اس لئے گویا خلافِ قیاس دونوں کو مختلف الجنس قرار دیا گیا، لہٰذا ان دونوں بنیادوں پر تو ایک ملک میں مروج مختلف قسم کی کرنسیاں یا مختلف ممالک کی کرنسیوں کو مختلف الجنس شمار کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس کا یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تمام ملکوں کی کرنسیاں ہم جنس اور ایک جنس شمار ہوں، اور کسی بھی ملک کی کرنسی کا جب دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ تبادلہ ہو تو اس میں برابری ضروری اور کمی بیشی ناجائز ہو۔[1]

مسئلہ کا دوسرا پہلو

البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نصوص میں اتحادِ جنس کے وقت نسیئہ کو اگرچہ حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن خود قرآن وحدیث میں اس جنس یا صنف کا کوئی معیار مقرر نہیں کیا گیا اور جس چیز کا کوئی معیار نصوص میں مقرر نہ ہو، اس کو عام عرف وعادت پر چھوڑا جاتا ہے

---

[1] البتہ ہمارے فقہاے حنفیہ کے نزدیک یہ حقیقی معنیٰ میں بیع صرف نہیں ہے، اس لئے تقابض پھر بھی ضروری نہیں ہے۔ نیز بریلوی مکتب فکر کے بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ایک جنس قرار دینے کے باوجود بھی کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہو، ان کے دلائل کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس کو دیگر تمام اجناس پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ فقہی نقطہ نظر سے یہ موقف مخدوش اور بہت ہی مخدوش ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ معاصر فقہائے میں سے کسی مستند شخصیت کا ہمیں یہ موقف نہیں مل سکا۔

جیسا کہ الاشباہ والنظائر وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے، اس لئے کرنسیوں کے باہم اتحاد واختلاف کے مسئلہ کو اگر عام عرف وعادت پر چھوڑا جائے تو کچھ زیادہ بعید نہیں، اور عام عرف یہی ہے کہ ہر ملک کی کرنسی ایک مستقل جنس شمار ہوتی ہے اور دو ملکوں کی کرنسیوں کو مختلف اصناف واقسام شمار کیا جاتا ہے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خود کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کا کرنسی کی حیثیت اختیار کرنا حکومتی قوانین اور عرف پر مبنی ہے اور قانون وعرف دونوں میں ہر ملک کی کرنسی مختلف قسم شمار کی جاتی ہے، نیز ہر ملک کی کرنسی کی شکل وصورت اور نام وطرز کا اختلاف اگرچہ اختلافِ جنس کے مستقل اسباب نہیں ہیں لیکن فی الجملہ یہ چیزیں بھی مؤیدات ہیں۔

کرنسی نوٹ اور اس میں جنسیت کے اتحاد واختلاف کے متعلق یہ دو پہلو ہیں، بعض اہلِ علم نے اول پہلو کو راجح قرار دیکر تمام کرنسیوں کو ہم کرنسی ہونے کے ناطے ہم جنس قرار دیا، ان کے نزدیک کرنسی ایک جنس ہے جس میں تمام ممالک کی کرنسیاں داخل ہیں اور اس کے مطابق سب کرنسیاں متحد الجنس ہیں، لہٰذا کرنسی کا کرنسی سے تبادلہ کرتے وقت دونوں طرف سے کرنسی کو قبض کرنا ضروری ہے، ادھار جائز نہیں۔

جبکہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک دوسرا پہلو مرجح ہے کہ ہر ملک کی کرنسی مستقل جنس ہے اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس۔ لہٰذا ایک ملک کی کرنسیوں کے تبادلہ کرتے وقت تو نسیہ سے احتراز لازم ہے اور تقابض ضروری ہے لیکن دو مختلف ممالک کی کرنسیوں میں یہ پابندی ضروری نہیں، سعودی عرب کے سرکاری فقہی کمیٹی "ھیئۃ کبار العلماء" نے سن ۱۳۹۳ھ اس موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا تھا، اس میں یہی فیصلہ کیا گیا، بعد میں مجمع

الفقہ الاسلامی نے بھی سن ۱۴۰۲ھ میں اسی موضوع پر اپنے سیمینار میں یہی قرار منظور کیا،
"ھیئۃ کبار العلماء" کا فیصلہ یہ ہے:

(أ) لا يجوز بيع بعضه ببعض أو بغيره من الأجناس النقدية الأخرى من ذهب أو فضة أو غيرهما - نسيئة مطلقا، فلا يجوز مثلا بيع الدولار الأمريكي بخمسة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر نسيئة.

(ب) لا يجوز بيع الجنس الواحد منه بعضه ببعض متفاضلا، سواء كان ذلك نسيئة أو يدا بيد، فلا يجوز مثلا بيع عشرة أريلة سعودية ورق بأحد عشر ريالا سعوديا ورقا.

(ج) يجوز بيع بعضه ببعض من غير جنسه مطلقا، إذا كان ذلك يدا بيد، فيجوز بيع الليرة السورية أو اللبنانية بريال سعودي، ورقا كان أو فضة، أو أقل من ذلك أو أكثر، وبيع الدولار الأمريكي بثلاثة أريلة سعودية أو أقل أو أكثر إذا كان ذلك يدا بيد، ومثل ذلك في الجواز بيع الريال السعودي الفضة بثلاثة أريلة سعودية ورق أو أقل أو أكثر يدا بيد؛ لأن ذلك يعتبر بيع جنس بغير

جنسه ولا أثر لمجرد الاشتراك في الاسم مع الاختلاف في الحقيقة.[1]

ترجمہ (أ)ان کرنسیوں میں سے بعض کی بیع بعض کے عوض یااس جنس کے علاوہ دوسرے سونے چاندی کے کی کرنسی کے عوض یاان کے علاوہ کے ساتھ، ادھار بالکل جائز نہیں۔ لہذاامریکی ڈالر پانچ ریال یااس سے کم یازیادہ کے عوض ادھار بیچنا جائز نہیں ہے۔

(ب)ایک جنس کی دوسرے جنس کے عوض بیع مطلقا جائز ہے جبکہ یہ نقد ہو، لہذا شامی یالبنانی لیرہ کی بیع سعودی ریال کے عوض چاہے وہ کاغذ ہو یاچاندی، اس سے کم ہو یازیادہ بہر صورت جائز ہے۔ امریکی ڈالر کی بیع تین سعودی ریال یااس سے کم زیادہ پر جائز ہے جبکہ نقد ہو، اور اسی طرح چاندی کے سعودی ریال کی بیع تین کاغذی سعودی ریال یااس سے زیادہ یاکم کے عوض بھی جائز ہے، جبکہ نقد ہو، اس لئے کہ یہ غیر جنس کے عوض بیع ہے، اور حقیقت میں اختلاف کے ہوتے ہوئے نام میں اشتراک کااعتبار نہیں۔

مکہ مکرمہ کے قاضی عبداللہ بن سلیمان منیع اور حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم دونوں نے بھی اس موضوع پر اپنے اپنے مقالہ جات میں یہی موقف اختیار فرمایا۔[1]

---

[1] أبحاث هيئة كبار العلماء، ج١ ص ٩٢.

ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلے کا حکم

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ ایک ملک کی کرنسی ایک جنس شمار ہوتی ہے اور دونوں میں قدر مفقود ہے، لہٰذا:

۱۔ان کا آپس میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہونا چاہئے۔

۲۔ دونوں کو اشارہ کرکے متعین کرنے کو کافی سمجھنا چاہئے، تقابض لازم نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ تمام ربوی اشیاء کا یہی حکم ہے کہ جب اتحاد جنس وقدر میں سے صرف ایک علت موجود ہو تو تفاضل جائز اور نسیئہ ناجائز ہوتا ہے۔

لیکن عام اشیاء کی بنسبت مروجہ کرنسیوں میں ان دونوں باتوں کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ دیگر اموالِ ربویہ کے مقابل مروجہ کاغذی نوٹ بذاتِ خود کوئی مطلوب یا مرغوب چیز نہیں ہے اگر اس کی طرف کچھ رغبت یا طلب پائی جاتی ہے تو وہ محض اس کے ثمنیت کی وجہ سے، کہ یہ ثمن ہے جس کے ذریعہ مختلف اشیائے صرف کو خریدا جاسکتا ہے اور اس ثمنیت کی حد تک نوٹ کے نئے پرانے ہونے یا چھوٹے بڑے ہونے کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سب بالکل برابر برابر ہے فقہاء کرام کی اصطلاح میں سب قطعاً "امثالِ متساویہ "ہیں جن میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ مثلاً ہزار روپے کا نوٹ اور سو روپے کے دس نوٹ، سو روپے کا بالکل نیا نوٹ اور بالکل پرانا نوٹ، بالکل برابر مالیت وقیمت کے حامل ہیں، اب اگر ان کے باہم تبادلہ میں ایک طرف سے ہزار روپیہ اور دوسری طرف سے گیارہ سو روپیہ

---

۱ ليراجعْ الورق النقدي: تاريخه حقيقته قيمته وحكمه لفضيلة الشّيخ العلامة القاضى عبد الله بن سليمان بن منيع رحمه الله، وأحكام الأوراق النقدية لفضيلة الشيخ العلاّمة القاضي محمد تقي العثماني زيد مجدهم.

دیا جائے تو ہزار روپے ہزار کے مقابلے میں ہو جائیں گے اور ایک طرف سے مزید سو روپے بالکل بلا عوض زیادتی شمار ہو گی جس کے سود ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حضرات شیخین کے مذہب سے استدلال اور اس کی حیثیت

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ حضرات شیخین کے نزدیک اس میں تفاضل جائز ہونا چاہئے کیونکہ کاغذی نوٹ قدیم زمانے کے فلوس کے مشابہ ہے اور فلوس کا آپس میں تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا ان حضرات کے نزدیک جائز ہے جبکہ دونوں طرف سے ملنے والے فلوس کو مجلس عقد میں متعین کیا جائے، لہٰذا روپیہ وغیرہ کاغذی کرنسیوں میں بھی یہی حکم جاری ہونا چاہئے۔

نظریاتی طور پر تو یہ استدلال درست ہو سکتا ہے لیکن عملی و تطبیقی لحاظ سے یہ استدلال بہر حال مخدوش ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرات شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ، سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثمنیت کے برقرار رہتے ہوئے تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، چنانچہ اگر انہی فلوس کو متعین نہ کیا جائے تو یہ معاملہ ناجائز ہے اور ناجائز ہونے کی وجہ تفاضل بھی ہے، البتہ دونوں طرف سے ملنے والے فلوس کو متعین کرنے کی صورت میں ان فلوس کی ثمنیت والی حیثیت برقرار رہے گی یا نہیں؟

اس نکتہ میں اختلاف ہوا، حضرات شیخین کے نزدیک ثمنیت برقرار نہیں رہے گی اس لئے تفاضل کی اجازت ہے کیونکہ فلوس کا ثمن ہونا لوگوں کے اتفاق و تعامل سے پیدا ہوا اور لوگوں کو ان تبادلہ کرنے والوں پر کوئی ولایت اختیار نہیں ہے اور تفاضل کے ساتھ تبادلہ پر آمادہ ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ دونوں اس کی ثمنیت والی حیثیت برقرار نہیں رکھنا چاہتے کیونکہ مسلمان ناجائز اور خاص کر سودی معاملہ کی جرأت نہیں کر سکتے۔

چنانچہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ اسی مسئلہ میں امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(وجه) قوله: إن الفلوس أثمان فلا يجوز بيعها بجنسها متفاضلا كالدراهم، والدنانير.

ترجمہ: امام محمدؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ فلوس ثمن ہیں لہذا جنس کے ساتھ اس کی تفاضلا بیع ناجائز ہے، جیسے درہم اور دنانیر۔

پھر حضرات شیخین کی جانب سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

وقوله: الفلوس أثمان قلنا: ثمنيتها قد بطلت في حقهما قبل البيع، فالبيع صادفها، وهي سلع عددية فيجوز بيع الواحد بالاثنين كسائر السلع العددية كالقماقم العددية، وغيرها إلا أنها بقيت أثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها، وبجنسها حالة المساواة؛ لأن خروجها عن، وصف الثمنية كان لضرورة صحة العقد، وجوازه؛ لأنهما قصدا الصحة، ولا صحة إلا بما قلنا، ولا ضرورة ثمة؛ لأن البيع جائز في الحالين بقيت على صفة الثمنية، أو خرجت عنها.[1]

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب البيوع، شرائط الصحة،ج٥ص١٨٥.

ترجمہ: "امام محمدؒ کا قول کہ فلوس اثمان ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں کے حق میں بیع سے قبل اس کی ثمنیت باطل ہو گئی، لہذا بیع اس حال میں واقع ہوا کہ یہ عددی سامان تھا، تو دوسرے سامن کی طرح اس کی ایک کی بیع دو کے عوض جائز ہے، چراغ وغیرہ عددی اشیاء کی طرح۔البتہ اپنے خلاف جنس کے ساتھ مقابلے کی صورت میں اس کی ثمنیت باقی ہے، اور اپنے جنس کے ساتھ مساوات کی صورت میں ثمنیت باقی ہے، اس لئے کہ ثمنیت سے اس کا نکلنا صحت وجواز عقد کی وجہ سے تھا، کیونکہ دونوں نے صحت عقد کا ارادہ کیا ہے اور صحت ہمارے قول کے بناء نہیں ہے، اور یہاں پر ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ بیع ہر صورت میں جائز ہے، چاہے ثمنیت باقی ہو یا نہ"۔

اسی طرح صاحبِ ہدایہ دونوں کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانهما" عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يجوز لأن الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما، وإذا بقيت أثمانا لا تتعين فصار كما إذا كانا بغير أعيانهما وكبيع الدرهم بالدرهمين. ولهما أن الثمنية في حقهما تثبت

باصـــطلاحهما إذ لا ولايـــة للغـــير علـــيهما فتبطـــل باصطلاحهما وإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين.[1]

ترجمہ: "شیخین کے ہاں ایک فلس کی بیع دو فلس کے عوض جائز ہے جبکہ متعین کئے جائے، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، اس لئے کہ ثمنیت عرف کی وجہ سے تھا تو بائع اور مشتری کی اصطلاح کی وجہ سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمن رہے کہ متعین کرنے سے متعین نہ ہو تو یہ ایسے ہوگئے کہ گویا یہ غیر متعین ہیں اور ایک درہم کی دو درہم کے عوض بیچنے کی طرح ہوگئے، اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کی ثمنیت ان کے حق میں ان کی اصطلاح کی وجہ سے ہے کیونکہ غیر کو ان پر ولایت حاصل نہیں، تو ان کی اصطلاح کی وجہ سے باطل بھی ہوگی، اور جب ثمنیت باطل ہوگئ تو متعین کرنے سے متعین بھی ہوگی"۔

حضرات شیخین کے اس تفصیلی استدلال سے معلوم ہوا کہ فلوس میں تفاضل کی اجازت ثمنیت کے باطل ہونے پر موقوف ہے اور ثمنیت کے برقرار رہتے ہوئے دونوں کا تفاضل کے ساتھ معاملہ شیخین اور امام محمد میں سے کسی کے نزدیک جائز ہے، اور اس نکتہ میں فلوس اور مروجہ کرنسی میں بڑا واضح فرق ہے کیونکہ یہ کاغذی کرنسی صرف لوگوں کے اتفاق وتعامل کی وجہ سے کرنسی نہیں بنتی بلکہ سرکاری قانون کی وجہ سے اس کی یہ حیثیت بن جاتی

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣ص ٦٣.

ہے اور حکومت کو تمام شہریوں پر ولایت واختیار حاصل ہے لہٰذا معاملہ کرنے والوں کا از خود اس کی ثمنیت باطل کرنا درست نہیں، اور ثمنیت کے ہوتے ہوئے تفاضل بالاتفاق جائز نہیں[1]۔ لہٰذا اگر اس مسئلہ میں امام محمد رحمہ اللہ کے موقف کو ترجیح نہ بھی دی جائے بلکہ شیخین کے قول کو ہی اختیار کیا جائے تو بھی تفاضل جائز نہیں ہے۔

تقابض ضروری ہے یا تعیین کافی ہے؟

جہاں تک دوسرے نکتہ کا تعلق ہے کہ دیگر اموالِ ربویہ کی طرح کرنسیوں کے باہمی تبادلہ میں بھی محض تعیین کافی ہونی چاہئے، تقابض کی شرط نہیں ہونی چاہئے، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ بے شک عام اموال ربویہ میں تو راجح قول کے مطابق تعیین بھی کافی ہے لیکن کرنسی ثمن ہے اور ثمن محض اشارہ کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اس کو متعین کرنے کی صورت یہی ہے کہ قبض کیا جائے، لہٰذا تعیین کے تقاضا پورا کرنے کے لئے تقابض ضروری ہے ورنہ تو قبض کئے بغیر تعیین کا کوئی اعتبار نہیں اور اس طرح معاملہ نسئیہ سمجھا جائے گا جو کہ سود ہے۔

مختلف ممالک کی کرنسیوں کا آپس میں تبادلہ

---

[1] اس نکتہ سے ایک اور مسئلہ کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے جو کرنسی مارکیٹ میں بعض جگہ رائج ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو اور پانچ روپے کے جو سکے رائج ہیں، ان میں پیتل لگایا گیا ہے، اور پیتل بھی خاصے قیمت کا حامل ہے چنانچہ بعض ماہرین کے مطابق دو روپے دو ڈیرھ سو سکّوں سے ہزار روپے کے قریب پیتل حاصل ہوتا ہے، اس لئے بعض لوگ یہی سکے جمع کرتے ہیں اور پھر کرنسی ہونے کی حیثیت سے قطع نظر کر کے کلو کے ذریعے فروخت کرتے ہیں جس میں وہ خاطر خواہ نفع کماتے ہیں۔ درج بالا ضابطے کے مطابق جب تک حکومت نے ان سکّوں کو کرنسی اور ثمن کے طور پر متعین کیا ہے تب تک رعایا اس کی اس حیثیت کو ختم نہیں کر سکتے اور کریں گے بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا اس کی روشنی میں یہ معاملہ بھی جائز نہیں ہے۔ اس کی جائز صورت یہی ہو سکتی ہے کہ سکّوں کو پاکستانی کرنسی کے عوض فروخت نہ کیا جائے بلکہ کسی جنس وغیرہ کے عوض اس کو بیچا جائے اور پھر اگر چاہے تو باہمی اتفاق سے اس جنس کے عوض کچھ رقم دیدی جائے۔

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جمہور اہلِ علم کے نزدیک ہر ملک کی کرنسی مستقل جنس ہے اور قدر تو پہلے سے مفقود ہے، لہٰذا اگر دو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو اس میں تفاضل حرام ہے نہ ہی نسیئہ کو ناجائز کہا جاسکتا ہے بلکہ دونوں کی گنجائش ہے بشرطیکہ مجلسِ عقد ہی میں کسی ایک کرنسی پر قبضہ ہو جائے تاکہ بیع الکالی بالکالی لازم نہ آئے جیسا کہ دیگر تمام اشیاء کے تبادلہ میں بھی اس شرط کا لحاظ ضروری ہے۔

کیا سرکاری ریٹ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟

دو مختلف ممالک کی کرنسی کے تبادلے میں کیا یہ ضروری ہے کہ قانونی قیمت کا اعتبار کیا جائے یا اس سے زیادہ قیمت بھی مقرر کی جاسکتی ہے؟ مثال کے طور پر زید اور بکر پاکستانی روپیہ کا ریال کے ساتھ باہم تبادلہ کرنا چاہتے ہیں اور آج ریال کی سرکاری قیمت چالیس روپے فی ریال ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ اسی کے مطابق معاملہ کریں یا اس سے زیادہ پر بھی کرسکتے ہیں؟

بعض اہلِ علم کے ہاں یہ ضروری ہے اور اس کی وجہ وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر اس پابندی کو ضروری قرار نہ دیا جائے تو یہ معاملہ سودی حیلے کا کام دے سکتا ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اس لئے اس شرط کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے۔ لیکن فقہی نقطہ نظر سے اس کا ضروری ہونا قابلِ غور ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی معاملہ کو یا تو ناجائز قصد ونیت کی وجہ سے ناجائز کہا جاسکتا ہے، یا معاملہ کی ظاہری شکل وصورت کی بنیاد پر اور یا انجام ونتیجہ کے اعتبار سے۔ یہاں عام طور پر یہ تینوں عناصر موجود نہیں ہوتے، بلکہ غور کیا جائے تو فریقین سود سے بچنے کی خاطر تبادلہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اب جب مقصود بھی سودی معاملہ انجام دینا نہیں ہے بلکہ اس سے بچنا ہے اور جو معاملہ انجام دیا ہے وہ بھی خرید

وفروخت کا جائز معاملہ ہے جس میں تمام ضروری شرائط کالحاظ رکھا گیا ہے تو اس کے بعد اس کو ناجائز قرار دینے کی کوئی خاص بنیاد باقی نہیں رہتی۔

یہاں تک کی بات تو واضح ہے ،البتہ ایک اور پہلو سے اس پر غور کیا جاسکتا ہے،وہ یہ ہے کہ حکومتی ریٹ سے زیادتی سود اور حیلہ سود نہ سہی، لیکن کیا یوں ہی سرکاری قیمت کی پابندی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پہلو کے لحاظ سے اس میں "مسئلہ تسعیر" کی تفصیل جاری ہوگی اور اگر قیمت کے اس تعین میں تسعیر معتبر ہونے کی شرائط موجود ہو تو اس کی پابندی ضروری ہوگی ورنہ نہیں۔ پابندی ضروری ہونے کی صورت میں بھی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو شخص اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے وہ جائز اور مبنی بر مصلحت قانون کی خلاف ورزی کی بناء پر مجرم ہوگا،اس کی وجہ سے معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

سہرے کی خرید وفروخت کا حکم

سہرے کی حقیقت یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں کو خاص طریقے سے آپس میں پرویا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہار کی شکل حاصل ہوجاتی ہے اور کچھ خوبصورت محسوس ہوتے ہیں اور لوگ شادی وغیرہ خوشی کے مواقع میں وہ ایک دوسرے کے گلے میں پہناتے ہیں۔ سہرے کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر کسی خاص ملک مثال کے طور پر پاکستانی کرنسی دیکر اس کے بدلے اسی ملک کی کرنسی سے بنایا ہوا سہرہ خریدا جائے تو اس کی حقیقت یہی ہے کہ ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ ہوا، جس میں ایک طرف سے نوٹ ہی نوٹ ہیں اور دوسری طرف سے نوٹ کے ساتھ کچھ پھول وغیرہ نقش ونگار کی معمولی چیزیں بھی ہے اور ساتھ پرونے کی محنت یا مہارت بھی۔

اب کیا یہ جائز ہے کہ مثلاً کسی سہرے میں پانچ ہزار روپے لگے ہوئے موجود ہوں اور اس کو چھ ہزار کا خریدا جائے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دونوں طرف سے صرف کرنسی ہی ہوتی تب تو مسئلہ واضح تھا کہ برابری ضروری اور کمی بیشی ناجائز ہے، لیکن یہاں ایک طرف سے خالص کرنسی ہی نہیں ہے بلکہ ساتھ کچھ پھول وغیرہ بھی ہیں اور اس کو پرونے کی خدمت بھی۔ تو ان دونوں چیزوں کے عوض کچھ زیادہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں درج ذیل بات

الف: پھول وغیرہ چیزیں تو اگر بہت معمولی ہوں جس کی کوئی قیمت شمار نہ کیا جاتا ہو تب تو یہی سمجھا جائے گا کہ دونوں طرف سے کرنسی ہی کرنسی ہی ہے، کسی ایک طرف بھی کرنسی کے علاوہ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس کے بدلے عوض لینا جائز ہو۔

ب: سہرے میں کرنسی کے علاوہ جو چیزیں لگی ہوتی ہیں، اگر ان کی قیمت اس رقم کے برابر یا قریب قریب ہو جو دوسری طرف سے اس کے عوض میں دیا جارہا ہے، مثال کے طور پر درج بالا صورت میں ہزار روپے کی نقش و نگار وغیرہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی معاملہ درست ہو جائے گا، فقہی لحاظ سے اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔

ج: اگر یہ چیزیں اس رقم سے کم قیمت کے حامل ہوں تو بھی قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ یہی معاملہ جائز ہو۔ خریدار کے پانچ ہزار روپے ان پانچ ہزار روپے کے عوض قرار پائیں گے جو سہرے میں لگے ہیں اور باقی ہزار روپے اس پھول وغیرہ چیزوں کا عوض قرار دیا جائے گا۔ اگر ان چیزوں کی عام بازاری قیمت کم ہو تو بھی چونکہ قیمت کا تعین فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ کم قیمت چیز کو فریقین نے باہمی اتفاق سے زیادہ قیمت کا

قرار دیااور اسی پر باہم تبادلہ ہوا۔ لیکن "ہدایہ" وغیرہ فقہی کتابوں میں ان جیسے حیلوں سے متعلق ایک ضابطہ ذکر کیا گیاہے جس کا تقاضایہ ہے کہ یہ معاملہ مکروہ ہو۔ "ہدایہ" میں ہے:

"ولو تبايعا فضة بفضة أو ذهبا بذهب وأحدهما أقل ومع أقلهما شيء آخر تبلغ قيمته باقي الفضة جاز البيع من غير كراهية، وإن لم تبلغ فمع الكراهة، وإن لم يكن له قيمة كالتراب لا يجوز البيع" لتحقق الربا إذ الزيادة لا يقابلها عوض فيكون ربا.[1]

ترجمہ: اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچا اور ان میں سے ایک کم تھااور کم کے ساتھ کوئی اور چیز بھی شامل تھا کہ اس دوسری چیز کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہو تو بیع بغیر کراہت کے جائز ہے،اور اگر برابر نہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے، اگر شئ آخر کی کوئی قیمت ہی نہ ہو جیسے مٹی تو بیع جائز نہیں ، کیونکہ ربا متحقق ہے،اس لئے کہ زیادت کے مقابلے میں عوض نہیں ہے تو سود ہے۔

ہدایہ کی اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ "بحر" وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں:

وصرح في الإيضاح بأن الكراهة قول محمد. وأما أبو حنيفة فقال لا بأس، وفي المحيط: إنما كرهه محمد خوفا

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي،كتاب البيوع،ج٣ص٨٣.

من أن يألفه الناس ويستعملوه فيما لا يجوز، وقيل لأنهما باشرا الحيلة لإسقاط الربا كبيع العينة فإنـه مكـروه اهـ بحر.وأورد أنه لو كان مكروها لزم أن يكـره في مسـألة الدرهمين والدينار بدرهم ودينارين ولم يذكره. وأجيـب عنه بجواب اعترضه في الفتح ثم قال: وغاية الأمر أنه لم ينص هناك على الكراهة فيه ثم ذكر أصـلا كليـا يفيـده، وينبغي أن يكون قول أبي حنيفة أيضا على الكراهـة كـما هو ظاهر إطلاق المصنف بلا ذكر خلاف.[1]

ترجمہ: ایضاح میں تصریح کیا ہے کہ کراہت امام محمد کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں کوئی حرج نہیں، اور محیط میں ہے کہ امام محمدؒ نے مکروہ اس لئے سمجھا کہ لوگ مانوس نہ ہو اور ناجائز میں استعمال نہ کرے، اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے سود ساقط کرنے کے لئے حیلہ اختیار کیا بیع عینہ کی طرح تو مکروہ ہے، بحر۔ امام محمد کے قول پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہ مکروہ ہے تو پھر دو درہم اور ایک دینار کی بیع دو دینا اور ایک درہم کے عوض بھی مکروہ ہونی چاہئے، اسے ذکر نہیں کیا، اس کا جواب جو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے یہاں کراہت کی تصریح نہیں کی ہے بلکہ ایک اصل کلی ذکر کی ہے جس سے

[1] حاشية ابن عابدين على الدر المختار، كتاب البيوع، ج٥ ص٢٦٥.

یہ ثابت ہوتا ہے اور مناسب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی کراہت کا ہو جیسا کہ مصنف کے اطلاق سے ظاہر ہوتا کہ کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو اور اس میں حضرت امام صاحب اور امام محمد رحمہما اللہ کے اختلاف کی پوری وضاحت فرمائی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

قال أبو حنيفة: عليه الرحمة إنه إذا باع مائة درهم ودينار بألف درهم يجوز ولا بأس به، وتكون المائة بمقابلة المائة، والتسعمائة بمقابلة الدينار، فلا يتحقق الربا، وكذا روي عن محمد أنه قال: إذا باع الدراهم بالدراهم، وفي أحدهما فضل من حيث الوزن، وفي الجانب الذي لا فضل فيه فلوس فهو جائز في الحكم، ولكني أكرهه، فقيل: كيف تجده في قلبك؟ قال: أجده مثل الجبل والحاصل أنه ينظر إلى ما يقابل الزيادة من حيث الوزن من خلاف الجنس، إن بلغت قيمته قيمة الزيادة، أو كانت أقل منها مما يتغابن الناس فيه عادة جاز البيع من غير كراهة، وإن كانت شيئا قليل القيمة كفلس وجوزة ونحو ذلك يجوز مع الكراهة، وإن كان شيئا لا قيمة له

أصلا ككف من تراب ونحوه لا يجوز البيع أصلا؛ لأن الزيادة لا يقابلها عوض فيتحقق الربا.[1]

ترجمہ: "امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر سو درہم اور ایک دینا، ایک ہزار درہم کے عوض بیچے جائیں تو جائز ہے اور کوئی حرج نہیں، تو سو درہم سو درہم کے مقابل اور نو سو درہم دینا کے مقابل ہو جائیں گے تو سود نہیں آئے گا۔ اسی طرح امام محمدؒ سے بھی مروی ہے کہ اگر دراہم کو دراہم کے عوض بیچا جائے اور ایک طرف وزن کے اعتبار سے زیادہ ہو اور دوسری طرف جو کم ہے اس میں فلوس ہیں تو جائز ہے، لیکن میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، پوچھا گیا کہ آپ اسے اپنے نفس میں کیسے پاتے ہیں تو فرمایا کہ پہاڑ کی طرح بڑا۔ حاصل یہ کہ امام محمدؒ خلاف جنس میں وزن کے اعتبار سے زیادتی کے مقابل کو دیکھتا ہے، اگر اس کی قیمت زیادتی کو پہنچتی ہو یا اس سے کم ہو لیکن اتنا کہ عام طور پر اتنی کمی کی پرواہ نہیں کی جاتی تو بیع بلا کراہت جائز ہے، اور اگر مقابل تھوڑی قیمت کا ہو مثلا فلس یا اخروٹ یا اس طرح کی دوسری چیز تو بیع کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور اگر مقابل بالکل بے قیمت چیز ہو مثلا ایک مٹھی بھر مٹی یا اس کے مثل تو بیع بالکل جائز ہی نہیں، اس لئے کہ زیادتی کے مقابل عوض نہیں ہے تو سود متحقق ہو گیا"۔

---

[1] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الصرف، ج٥ ص١٩٢.

ہنر و محنت کے عوض زیادہ قیمت لینا

یہ ساری تفصیل تو اس پھول وغیرہ نقش ونگار سے متعلق تھی جو سہرے میں لگے ہوتے ہیں۔ جہاں تک سہرے بنانے کی محنت یا مہارت کا تعلق ہے تو اس کے بدلے مستقل عوض وصول کرنا شرعا درست معلوم نہیں ہوتا، حضرات فقہاء کرام نے "بیع صرف" کے ضمن میں اس کی صراحت فرمائی ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب "الاصل" میں ہے:

وأخبرنا عن أبان بن أبي عياش عن أبي رافع قال: سألت عمر بن الخطاب عن الصَّوْغ أَصُوغُه فأبيعه. قال: وزن بوزن. قال: قلت: إني أبيعه وزناً بوزن، ولكني آخذ فيه أجر عملي. قال: إنما عملك لنفسك، فلا تزدد شيئاً. فإن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – نهى أن تباع الفضة إلا وزناً بوزن. ثم قال: يا أبا رافع، إن الآخذ والمعطي والكاتب والشاهد فيه شركاء.[1]

ترجمہ: "ابورافع فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ سے سونے کے زیور کے متعلق پوچھا کہ میں ڈھلائی کرتا ہوں اور پھر بیچتا ہوں تو فرمایا کہ وزن کے برابری کے ساتھ بیچو، فرمایا میں نے کہا کہ برابری کے ساتھ بیچتا ہوں لیکن میں اپنے کام کی اجرت اس میں لیتا ہوں، تو فرمایا

---

[1] الأصل للشيباني، كتاب الصرف، ج ٢ ص ٥٨٤

کہ آپ کا عمل اپنے لئے ہے، لہذا اضافہ نہ کرو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کو وزن کی برابری کے بغیر بیچنے سے منع فرمایا ہے ، پھر فرمایا : اے ابو رافع ! لینے والا، دینے والا، لکھنے والا اور گواہ سب گناہ میں شریک ہیں"۔

یہ جزئیہ اگرچہ اصلا "بیع صرف" سے متعلق ہے اور کرنسی نوٹ کا آپس میں تبادلہ بیع صرف نہیں ہے ، تاہم چونکہ یہ بھی ان اموال میں سے ہے جن میں سود کا تحقق ہوتا ہے (اموال ربویہ میں سے ہے)اور ایسے اموال میں معیار کے لحاظ سے اچھے برے کا فرق نہیں ہوتا بلکہ وزن کے لحاظ سے برابری ضروری ہوتی ہے، اس لئے کرنسی نوٹ کا باہم تبادلہ کا بھی یہی حکم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ناکارہ عبید الرحمن

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم الرحمانیہ، مردان

جمادی الاولی ۳۸ھ

المصادر والمراجع

- اَلْاَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ، زين الدين بن إبراهيم، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)
- الأصل، أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (المتوفى: 189 هـ) ت: الدكتور محمّد بوينوكالن
- بدائع الصنائع: علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: 587هـ) الناشر: دار الكتب العلميةالطبعة: الثانية، 1406هـ - 1986م.
- البناية شرح الهداية: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، 1420 هـ - 2000 م. دار ابن حزم، بيروت—لبنان
- الدر المختار وحاشية ابن عابدين، ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252هـ)
- درر الحكام شرح غرر الأحكام، محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (المتوفى: 885هـ) دار إحياء الكتب العربية
- سنن أبي داود ت الأرنؤوط ، أبو داود سليمان بن الأشعث الأزدي السِّجِسْتاني (المتوفى: 275هـ)
- عطر ہدایہ محقق مخرج، علامہ فتح محمد تائب، مکتبہ نعیمیہ مردان

- العناية شرح الهداية: محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي (المتوفى: 786ھ-)الناشر: دار الفكر.
- فتح القدير شرح الهداية: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام(المتوفى:861ھ-)الناشر: دار الفكر.
- الفروق، أسعد بن محمد بن الحسين، أبو المظفر، جمال الإسلام الكرابيسي النيسابوري الحنفي(المتوفى:570ھ-)ت:د. محمد طموم،وزارة الأوقاف الكويتية
- الكفاية في شرح الهداية، جلال الدين بن شمس الدين الخوارزمي
- المبسوط للسرخسي: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483ھ-)الناشر: دار المعرفة –بيروت.
- مجلة الأحكام العدلية، نور محمد، كارخانہ تجارتِ کتب، آرام باغ، کراتشی.
- المدخل الفقهي العام، الشيخ مصطفى الزرقاء
- موطأ مالک برواية محمد بن الحسن الشيباني
- نصب الراية لأحاديث الهداية ،جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد الزيلعي(المتوفى:762ھ-)ت: محمد عوامة، مؤسسة الريان للطباعة والنشر-بيروت
- الهداية في شرح بداية المبتدي: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593ھ-)ت: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي-بيروت–لبنان.